جلد (۳) عدد (۲)

شعبان سنہ ۱۳۵۲ھ

ترجمان القرآن

مجلس تحریک قرآن کا ماہوار رسالہ

مُرتبہ

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

قیمت سالانہ صہ

بیرونِ ہند کے لئے (مے)

قیمت فی پرچہ ۴ر

چند نایاب کتابیں اور انکی قیمتوں میں حیرت انگیز رعایت

تفسیر القرآن مکمل آٹھ جلدوں میں | آجتک اس سے بہتر تفسیر شائع نہیں ہوئی سینکڑوں محبان وطن و مقتدر علماء سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ یہ تفسیر نہایت معتبر و مستند ہے اور انکی روایات صحیح و سلف صالحین کے عقیدہ کے موافق ہیں۔ یہ تفسیر اسلام کے عقاید جہادات، و معاملات کے مسائل اور علم تصوف کا بحر ذخار ہے۔ عاشقان کلام الٰہی کے لئے نایاب تحفہ ہے اصلی قیمت (۲۱) رعایتی (۱۵)

تاریخ اسلام مصنفہ رائٹ آنریبل سید امیر علی بار ایٹ لا | اس حیثیت کی کوئی کتاب آجتک نہیں چھپی گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا اصلی قیمت (ے) رعایتی (عا)

مقدمہ تاریخ ابن خلدون کا اردو ترجمہ | تین جلدوں میں جسے بصرف زر کثیر کارخانہ وطن نے تیار کرایا ہے آجتک کسی شخص کو اسکی عبارت کی دقت کی وجہ سے اردو میں ترجمہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی کل اہم اسلامی علوم و فنون اور واقعات شہادت امام حسین پر مدلل بحث کیگئی ہے اصلی قیمت مکمل معہ [illegible] رعایتی [illegible]

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء | مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحب کا اردو ترجمہ خلفائے راشدین کی مستند ترین تاریخ اصلی قیمت (ے)، رعایتی قیمت (صمہ)

سیرۃ الرسول حصہ اول و دوم | اس میں نسب نامہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و قبیلہ قریش کا نسب قبائل و قوم عرب کی مختصر تاریخ قیمت ہر دو حصہ اصلی عہ رعایتی عا۔

انجیل برنباس | اس مقدس انجیل کا ترجمہ ہے جس کو حاملان دین عیسوی نے عہد تاریک میں بالکل نابود کر دیا تھا کیونکہ اس میں حضرت رسول مقبول کے ظہور کی صحیح خبر موجود ہے (اصلی قیمت عہ رعایتی قیمت عہ۔

ترجمہ تفسیر کبیر فاتح العلوم | تفسیر سورۃ الحمد مولفہ امام فخر الدین رازی۔ اسے اب تک اردو کا جامہ پہنانے کی کسی صاحب کو ہمت نہ پڑتی تھی کارخانہ وطن نے اس بھاری کمی کو پورا کر دیا اصلی قیمت (ے) رعایتی عمر

کلید خزاین قرآنی | اس کی مدد سے کسی آیت کا ایک لفظ یا کلمہ یاد ہو تو بلا تامل پوری آیت کا ترجمہ معہ نشان سورت و تعداد آیت ملجاتا ہے۔ مزید براں اس کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں لفظ کتنی مرتبہ اور کس کس سورت میں آیا ہے۔ اصلی قیمت چھ روپیہ رعایتی صمہ۔

محصول بذمہ خریدار۔ **ملنے کا پتہ منیجر کارخانہ وطن۔ لاہور**

فہرست مضامین

اشارات

بڑے بڑے شہروں میں ہم دیکھتے ہیں کہ سینکڑوں کارخانے بجلی کی قوت سے چل رہے ہیں۔ ریلیں اور ٹرام گاڑیاں رواں دواں ہیں، شام کے وقت دفعتہً ہزاروں قمقمے روشن ہوجاتے ہیں، گرمی کے زمانہ میں گھر گھر پنکھے چلتے ہیں، مگر ان واقعات سے نہ تو ہمارے اندر حیرت واستعجاب کی کوئی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور نہ ان چیزوں کے روشن یا متحرک ہونے کی علت میں کسی قسم کا اختلاف ہمارے درمیان واقع ہوتا ہے۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ ان قمقموں کا تعلق جن تاروں سے ہے ان کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ان تاروں کا تعلق جس بجلی گھر سے ہے اس کا حال ہم کو معلوم ہے۔ اس بجلی گھر میں جو لوگ کام کرتے ہیں ان کے وجود کا ہم کو علم ہے۔ ان کام کرنے والوں پر جو انجینیر نگرانی کر رہا ہے۔ اس کو بھی ہم جانتے ہیں ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ انجینیر بجلی بنانے کے فن سے واقف ہے، اس کے پاس بہت سی کلیں ہیں، اور ان کلوں کو حرکت دیکر وہ اس قوت کو پیدا کر رہا ہے جس کے جلوے ہم کو قمقموں کی روشنی، پنکھوں کی گردش ریلوں اور ٹرام گاڑیوں کی سیر چکیوں اور کارخانوں کی حرکت میں نظر آتے ہیں۔ پس بجلی کے آثار کو دیکھکر اس کے اسباب کے متعلق ہمارے درمیان اختلاف رائے واقع نہ ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان اسباب کا پورا سلسلہ ہمارے محسوسات میں داخل ہے، اور ہم اس کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔

فرض کیجیے کہ یہی قمقمے روشن ہوتے۔ اسی طرح پنکھے گردش کرتے، یونہی ریلیں اور ٹرام گاڑیاں چلتیں، چکیاں اور مشینیں حرکت کرتیں، مگر وہ تار جن سے بجلی ان میں پہنچتی ہے ہماری نظروں سے پوشیدہ

ہوتے، بجلی گھر بھی ہمارے محسوسات کے دائرے سے خارج ہوتا، بجلی گھر میں کام کرنے والوں کا بھی ہم کو کچھ علم نہ ہوتا، اور یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ اس کارخانے کا کوئی انجنیر ہے جو اپنے علم اور اپنی قدرت سے اس کو چلا رہا ہے۔ کیا اس وقت بھی بجلی کے ان آثار کو دیکھکر ہمارے دل ایسے ہی مطمئن ہوتے؟ کیا اس وقت بھی ہم اسی طرح ان مظاہر کی علتوں میں اختلاف نہ کرتے؟ ظاہر ہے کہ آپ اس کا جواب نفی میں دیں گے کیوں؟ اس لئے کہ جب آثار کے اسباب پوشیدہ ہوں، مظاہر کی علتیں غیر معلوم ہوں، تو دلوں میں حیرت کے ساتھ بے اطمینانی کا پیدا ہونا، دماغوں کا اس رازِ سربستہ کی جستجو میں لگ جانا، اور اس راز کے متعلق قیاسات و آرار کا مختلف ہونا ایک فطری بات ہے۔

اب ذرا اسی مفروضہ پر سلسلۂ کلام کو آگے بڑھائیے۔ مان لیجئے کہ یہ جو کچھ فرض کیا گیا ہے درحقیقت عالم واقعہ میں موجود ہے۔ ہزاروں لاکھوں قمقمے روشن ہیں، لاکھوں پنکھے چل رہے ہیں، گاڑیاں دوڑ رہی ہیں، کارخانے حرکت کر رہے ہیں، اور ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ان میں کونسی قوت کام کر رہی ہے اور وہ کہاں سے آتی ہے؟ لوگ ان مظاہر و آثار کو دیکھ کر حیران و ششدر ہیں۔ ہر شخص ان کے اسباب کی جستجو میں عقل کے گھوڑے دوڑا رہا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ سب چیزیں آپ سے آپ روشن یا متحرک ہیں۔ ان کے اپنے وجود سے خارج کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انھیں روشنی یا حرکت بخشنے والی ہو۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ چیزیں جن مادوں سے بنی ہوی ہیں انہی کی ترکیب سے ان کے اندر روشنی اور حرکت کی کیفیتیں پیدا کر دی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اس عالم مادہ سے ماورا چند دیوتا ہیں جن میں سے کوئی قمقمے روشن کرتا ہے، کوئی ٹرام اور ریلیں چلاتا ہے، کوئی پنکھوں کو گردش دیتا ہے، اور کوئی کارخانوں اور چکیوں کا محرک ہے۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو سوچتے سوچتے تھک گئے ہیں، اور آخر میں عاجز ہو کر کہنے لگے ہیں کہ ہماری عقل اس طلسم کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی۔

ہم صرف اتنا ہی جانتے ہیں۔ جتنا دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں اس سے زیادہ ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور جو کچھ ہماری سمجھ میں نہ آئے۔ اس کی نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں اور نہ تکذیب۔

یہ سب گروہ ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ مگر اپنے خیال کی تائید اور دوسرے خیالات کی تردید کے لئے ان کے پاس قیاس اور ظن و تخمین کے سوا کوئی ذریعۂ علم نہیں ہے۔

اس دوران میں کہ یہ اختلافات برپا ہیں، ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ بھائیو! میرے پاس علم کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے۔ اس ذریعہ سے مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ ان سب قمقموں، پنکھوں، گاڑیوں، کارخانوں اور چکیوں کا تعلق چند مخفی تاروں سے ہے جن کو تم محسوس نہیں کرتے۔ ان تاروں میں ایک بہت بڑے بجلی گھر سے قوت آتی ہے جس کا ظہور روشنی اور حرکت کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس بجلی گھر میں بڑی بڑی عظیم الشان کلیں ہیں جنھیں بے شمار اشخاص چلا رہے ہیں۔ اور ان سب کے اوپر ایک بڑا زبردست انجنیر ہے جس کے علم اور قدرت نے اس پورے نظام کو قائم کیا ہے، اور جس کی ہدایت و نگرانی میں یہ سب کام ہو رہے ہیں۔

یہ شخص پوری قوت سے اپنے اس دعوے کو پیش کرتا ہے۔ لوگ اس کو جھٹلاتے ہیں، سب گروہ مل کر اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اسے دیوانہ قرار دیتے ہیں، اس کو مارتے ہیں تکلیفیں دیتے ہیں گھر سے نکال دیتے ہیں، مگر وہ ان سب روحانی اور جسمانی مصیبتوں کے باوجود اپنے دعوے پر قائم رہتا ہے کسی خوف یا لالچ سے اپنے قول میں ذرہ برابر ترمیم نہیں کرتا کسی مصیبت سے اس کے دعوے میں کمزوری نہیں آتی، اور اس کی ہر ہر بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو اپنے قول کی صداقت پر کامل یقین ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرا شخص آتا ہے اور وہ بھی بجنسہٖ یہی قول اسی دعوے کے ساتھ پیش کرتا ہے

پھر تیسرا، چوتھا، پانچواں آتا ہے۔ اور وہی بات کہتا ہے جو اس کے پیش رووں نے کہی تھی اس کے بعد ان آنے والوں کا ایک تانتا بندھ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد سینکڑوں اور ہزاروں سے متجاوز ہو جاتی ہے، اور یہ سب اسی ایک قول کو اسی ایک دعوی کے ساتھ پیش کرتے ہیں زمان و مکان اور حالات کے اختلافات کے باوجود ان کے قول میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ سب کہتے ہیں کہ ہمارے پاس علم کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو عام لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ سب کو دیوانہ قرار دیا جاتا ہے، ہر طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے، ہر طریقہ سے ان کو مجبور کیا جاتا ہے کہ اپنے قول سے باز آجائیں، مگر سب کے سب اپنی بات پر قائم رہتے ہیں۔ اور دنیا کی کوئی قوت ان کو اپنے مقام سے ایک انچ نہیں ہٹا سکتی۔ اس عزم و استقامت کے ساتھ ان لوگوں کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں کہ ان میں سے کوئی جھوٹا، چور، خائن، بدکار، ظالم اور حرام خور نہیں ہے۔ ان کے دشمنوں اور مخالفوں کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ ان سب کے اخلاق پاکیزہ ہیں، سیرتیں انتہا درجہ کی نیک ہیں، اور حسن خلق میں یہ اپنے دوسرے ابنائے نوع سے ممتاز ہیں۔ پھر ان کے اندر جنون کا بھی کوئی اثر نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس وہ تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس، اور دنیوی معاملات کی اصلاح کے لئے ایسی ایسی تعلیمات پیش کرتے۔ اور ایسے ایسے قوانین بناتے ہیں جن کے مثل بنانا تو درکنار، بڑے بڑے علماء و عقلاء کو ان کی باریکیاں سمجھنے میں پوری پوری عمریں صرف کر دینی پڑتی ہیں۔

ایک طرف وہ مختلف الخیال مکذبین ہیں، اور دوسری طرف یہ متحد الخیال مدعی دونوں کا معاملہ عقل سلیم کی عدالت میں پیش ہوتا ہے۔ جج کی حیثیت سے عقل کا فرض ہے کہ پہلے اپنی پوزیشن کو خوب سمجھ لے پھر فریقین کی پوزیشن کو سمجھے، اور دونوں کا موازنہ کرنے کے بعد فیصلہ کرے کہ کس کی بات قابل ترجیح ہے۔

جج کی پوزیشن یہ ہے کہ خود اس کے پاس امرواقعی کو معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ وہ حقیقت کا علم نہیں رکھتا۔ اس کے سامنے صرف فریقین کے بیانات، ان کے دلائل، ان کے ذاتی حالات اور خارجی آثار و قرائن ہیں۔ انہی پر تحقیق کی نظر ڈال کر اسے فیصلہ کرنا ہے کہ کس کا برحق ہونا اغلب ہے۔ مگر اغلبیت سے بڑھ کر بھی وہ کوئی حکم نہیں لگا سکتا، کیونکہ مسل پر جو کچھ مواد ہے اس کی بنا پر یہ کہنا اس کے لئے مشکل ہے کہ امرواقعی کیا ہے۔ وہ فریقین میں سے ایک کو ترجیح دے سکتا ہے لیکن قطعیت اور یقین کے ساتھ کسی کی تصدیق یا تکذیب نہیں کر سکتا۔

مکذبین کی پوزیشن یہ ہے:-

۱۔ حقیقت کے متعلق ان کے نظریے مختلف ہیں۔ اور کسی ایک نکتہ میں بھی ان کے درمیان اتفاق نہیں ہے، حتی کہ ایک ہی گروہ کے افراد میں بسا اوقات اختلاف پایا گیا ہے۔

۲۔ وہ خود اقرار کرتے ہیں کہ ان کے پاس علم کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے۔ جو دوسروں کے پاس نہ ہو۔ ان میں سے کوئی گروہ اس سے زیادہ کسی چیز کا مدعی نہیں ہے کہ ہمارے قیاسات دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ وزنی ہیں۔ مگر اپنے قیاسات کا قیاسات ہونا سب کو تسلیم ہے۔

۳۔ اپنے قیاسات پر ان کا اعتقاد، ایمان و یقین اور غیر متزلزل وثوق کی حد تک نہیں پہنچا ہے۔ ان میں تبدیل رائے کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ ان میں کا ایک شخص کل تک جس نظریہ کو پورے زور کے ساتھ پیش کر رہا تھا، آج خود اسی نے اپنے پچھلے نظریہ کی تردید کر دی، اور ایک دوسرا نظریہ پیش کر دیا۔ عمر، عقل، علم اور تجربے کی ترقی کے ساتھ ساتھ اکثر ان کے نظریات بدلتے رہے ہیں۔

۴۔ مدعیوں کی تکذیب کے لئے ان کے پاس بجز اس کے اور کوئی دلیل نہیں ہے کہ انہوں نے

اپنی صداقت کا کوئی یقینی ثبوت نہیں پیش کیا۔ انہوں نے وہ مخفی تار ہم کو نہیں دکھائے جن کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ قمقموں اور پنکھوں وغیرہ کا تعلق انہی سے ہے۔ نہ انہوں نے بجلی کا وجود تجربہ یا مشاہدہ سے ثابت کیا، نہ بجلی گھر کی ہمیں سیر کرائی، نہ اس کی کلوں اور مشینوں کا معاینہ کرایا۔ نہ اس کے کارندوں میں سے کسی سے ہماری ملاقات کرائی نہ کبھی انجنیئر سے ہم کو ملایا۔ پھر ہم کیسے مان لیں کہ یہ سب کچھ حقائق ہیں؟

مدعیوں کی پوزیشن یہ ہے :-

۱۔ وہ سب آپس میں متفق القول ہیں۔ دعوے کے جتنے بنیادی نکات ہیں ان سب میں ان کے درمیان کامل اتفاق ہے۔

۲۔ ان سب کا متفقہ دعویٰ یہ ہے کہ ہمارے پاس علم کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو عام لوگوں کے پاس نہیں ہے۔

۳۔ ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہم اپنے قیاس یا گمان کی بنا پر ایسا کہتے ہیں، بلکہ سب نے بالاتفاق کہا ہے کہ انجینیر سے ہمارے خاص تعلقات ہیں .... اس کے کارندے ہمارے پاس آتے ہیں، اس نے اپنے کارخانے کی سیر بھی ہم کو کرائی ہے، اور ہم جو کچھ کہتے ہیں علم و یقین کی بنا پر کہتے ہیں، ظن و تخمین کی بنا پر نہیں کہتے۔

۴۔ ان میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی نے اپنے بیان میں ذرہ برابر بھی تغیر و تبدل کیا ہو۔ ایک ہی بات ہے جو ان میں کا ہر شخص دعوے کے آغاز سے زندگی کے آخری سانس تک کہتا رہا ہے۔

۵۔ ان کی سیرتیں انتہا درجہ کی پاکیزہ ہیں۔ جھوٹ، فریب، مکاری، دغابازی کا کہیں شائبہ تک نہیں ہے اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ جو لوگ زندگی کے تمام معاملات میں راست رو، اور صادق القول

ہوں، وہ خاص اسی معاملہ میں بالاتفاق کیوں جھوٹ بولیں۔

۶۔ اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ دعویٰ پیش کرنے سے ان کے پیش نظر کوئی ذاتی فائدہ تھا۔ برعکس اس کے یہ ثابت ہے کہ ان میں سے اکثر و بیشتر نے اس دعوے کی خاطر انتہا درجہ کے مصائب برداشت کئے ہیں، جسمانی تکلیفیں سہیں، قید کئے گئے، مارے اور پیٹے گئے، جلاوطن کئے گئے، بعض قتل کر ڈالے گئے، حتّٰی کہ بعض کو آرے سے چیر ڈالا گیا، اور چند کے سوا کسی کو بھی خوش حالی و فارغ البالی کی زندگی میسر نہ ہوئی۔ لہذا کسی ذاتی غرض کا الزام ان پر نہیں لگایا جاسکتا، بلکہ ان کا ایسے حالات میں اپنے دعوے پر قائم رہنا، یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کو اپنی صداقت پر انتہا درجہ کا یقین تھا، ایسا یقین کہ اپنی جان بچانے کے لئے بھی ان میں سے کوئی اپنے دعوے سے باز نہ آیا۔

۷۔ ان کے متعلق مجنون یا فاترالعقل ہونے کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔ زندگی کے تمام معاملات میں وہ سب کے سب غایت درجہ دانشمند اور سلیم العقل پائے گئے ہیں۔ ان کے مخالفین نے بھی اکثر ان کی دانشمندی کا لوہا مانا ہے۔ پھر یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے۔ کہ ان سب کو اسی خاص معاملہ میں جنون لاحق ہوگیا ہو؟ اور معاملہ بھی کیسا؟ جو ان کے لئے زندگی اور موت کا سوال بن گیا ہو، جس کے لئے انہوں نے دنیا بھر کا مقابلہ کیا ہو، جس کی خاطر وہ سالہا سال دنیا سے لڑتے رہے ہوں، اور جو ان کی ساری عاقلانہ تعلیمات کا (جن کے عاقلانہ ہونے کا بہت سے مکذبین کو بھی اعتراف ہے) اصل الاصول ہو۔

۸۔ انہوں نے خود بھی یہ نہیں کہا کہ ہم انجینیر یا اس کے کارندوں سے تمہاری ملاقات کرا سکتے ہیں یا اس کا مخفی کارخانہ تمہیں دکھا سکتے ہیں۔ یا تجربہ اور مشاہدہ سے اپنے دعوے کو ثابت کرسکتے ہیں، وہ خود ان تمام امور کو "غیب" سے تعبیر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تم ہم پر اعتبار کرو، اور جو کچھ ہم بتاتے ہیں اسے مان لو۔

فریقین کی پوزیشن اور ان کے بیانات پر غور کرنے کے بعد عقل کی عدالت اپنا فیصلہ صادر کرتی ہے
وہ کہتی ہے کہ چند خارجی مظاہر و آثار کو دیکھ کر ان کے باطنی اسباب وعلل کی جستجو دونوں فریقوں نے کی ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے نظریات پیش کئے ہیں۔ بادی النظر میں سب کے نظریات اس لحاظ سے یکساں ہیں کہ اولاً ان میں سے کسی میں استحالۂ عقلی نہیں ہے یعنی قوانین عقلی کے لحاظ سے کسی نظریہ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا صحیح ہونا غیر ممکن ہے، اور ثانیاً ان میں سے کسی کی صحت تجربے یا مشاہدے سے ثابت نہیں کی جا سکتی۔ نہ فریق اول میں سے کوئی گروہ اپنے نظریات کا کوئی ایسا سائنٹفک ثبوت دے سکتا ہے جو ہر شخص کو یقین کرنے پر مجبور کر دے، اور نہ فریق ثانی اس پر قادر یا اس کا مدعی ہے لیکن مزید غور و تحقیق کے بعد چند امور ایسے نظر آتے ہیں جن کی بنا پر تمام نظریات میں سے فریق ثانی کا نظریہ قابل ترجیح قرار پاتا ہے
اولاً کسی نظریہ کی تائید اتنے کثیر التعداد، عاقل، پاک سیرت، صادق القول آدمیوں نے متفق ہو کر اتنی قوت اور اتنے یقین و ایمان کے ساتھ نہیں کی ہے۔
ثانیاً، ایسے پاکیزہ کیرکٹر اور اتنے کثیر التعداد لوگوں کا مختلف زمانوں اور مختلف مقامات میں اس دعوے پر متفق ہو جانا کہ ان سب کے پاس ایک غیر معمولی ذریعہ علم ہے، اور ان سب نے اس ذریعہ سے خارجی مظاہر کے باطنی اسباب کو معلوم کیا ہے، ہم کو اس دعوی کی تصدیق پر مائل کر دیتا ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ اپنی معلومات کے متعلق ان کے بیانات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جو معلومات انہوں نے بیان کی ہیں ان میں کوئی استحالۂ عقلی نہیں ہے، اور نہ یہ بات قوانین عقلی کی بنا پر محال قرار دی جا سکتی ہے کہ بعض انسانوں میں کچھ ایسی غیر معمولی قوتیں ہوں جو عام طور پر دوسرے انسانوں میں نہ پائی جاتی ہوں۔
ثالثاً خارجی مظاہر کی حالت پر غور کرنے سے بھی غالب یہی معلوم ہوتا ہے کہ فریق ثانی کا نظریہ صحیح ہو۔ اس لئے کہ قمقمے، پنکھے، گاڑیاں، کارخانے وغیرہ نہ تو آپ سے آپ روشن اور متحرک ہیں

کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ان کا روشن اور متحرک ہونا ان کے اپنے اختیار میں ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے نہ ان کی روشنی وحرکت ان کے مادۂ جسمی کی ترکیب کا نتیجہ ہے، کیونکہ جب وہ متحرک اور روشن نہیں ہوتے اس وقت بھی یہی ترکیب جسمی موجود رہتی ہے، اور نہ ان کا الگ الگ قوتوں کے زیر اثر ہونا صحیح ہے، کیونکہ بسا اوقات جب قمقموں میں روشنی نہیں ہوتی تو پنکھے بھی بند ہوتے ہیں۔ ٹرام کاریں بھی موقوف ہو جاتی ہیں اور کارخانے بھی نہیں چلتے۔ لہٰذا خارجی مظاہر کی توجیہ میں فریق اول کی طرف سے جتنے نظریات پیش کئے گئے ہیں وہ سب بعید از عقل وقیاس ہیں۔ زیادہ صحیح یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ ان تمام مظاہر میں کوئی ایک قوت کارفرما ہو اور اس کا سررشتہ کسی ایسے حکیم کے ہاتھ میں ہو جو ایک مقرر نظام کے تحت اس قوت کو مختلف مظاہر میں صرف کر رہا ہو۔

باقی رہا منکرین کا یہ قول کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی، اور جو بات ہماری سمجھ میں نہ آئے اس کی تصدیق یا تکذیب ہم نہیں کر سکتے، تو حاکم عقل اس کو بھی درست نہیں سمجھتا۔ کیونکہ کسی واقعہ کا واقعہ ہونا اس کا محتاج نہیں ہے کہ وہ سننے والوں کی سمجھ میں بھی آجائے۔ اس کے وقوع کو تسلیم کرنے کے لئے معتبر اور متواتر شہادت کافی ہے۔ اگر ہم سے چند معتبر آدمی آکر یہ کہیں کہ ہم نے زمین مغرب میں آدمیوں کو لوہے کی گاڑیوں پر بیٹھ کر ہوا پر اڑتے دیکھا ہے، اور ہم اپنے کانوں سے لندن میں بیٹھ کر امریکہ کا گانا سن آئے ہیں، تو ہم صرف یہ دیکھیں گے کہ یہ لوگ جھوٹے اور مسخرے تو نہیں ہیں؟ ایسا بیان کرنے میں ان کی کوئی ذاتی غرض تو نہیں ہے؟ ان کے دماغ میں کوئی فتور تو نہیں ہے؟ اگر ثابت ہو گیا، کہ وہ نہ جھوٹے ہیں، نہ مسخرے، نہ دیوانے، نہ ان کا کوئی ذاتی مفاد اس روایت کی اشاعت سے وابستہ ہے، اور اگر ہم نے دیکھا کہ اس کو بلا اختلاف بہت سے سچے اور عقلمند لوگ پوری سنجیدگی کے ساتھ بیان کر رہے ہیں، تو ہم یقیناً اس کو تسلیم کر لیں گے۔ خواہ لوہے کی گاڑیوں کا ہوا پر اڑنا اور کسی مادی واسطہ کے بغیر ایک جگہ کا گانا کئی ہزار میل کے فاصلہ پر

سنائی دنیا کسی طرح ہماری سمجھ میں نہ آتا ہو۔

یہ اس معاملہ میں عقل کا فیصلہ ہے۔ مگر تصدیق و یقین کی کیفیت جس کا نام "ایمان" ہے اس سے پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے لئے وجدان کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے دل کے ٹھک جانے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ اندر سے ایک آواز آئے۔ جو تکذیب شک اور تذبذب کی تمام کیفیتوں کا خاتمہ کردے، اور صاف کہدے کہ لوگوں کی ساری قیاس آرائیاں باطل ہیں۔ سچ وہی ہے جو سچے لوگوں نے قیاس سے نہیں، علم وبصیرت کی رو سے بیان کیا ہے۔

اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی

(۸)

(ایمان)

ایمان کی حقیقت شخصی کردار میں اس کی بنیادی اہمیت، اور اجتماعی تہذیب میں اس کی اساسی حیثیت آپ کو معلوم ہو چکی ہے، آب دیکھئے کہ اسلام نے کن چیزوں پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے؟ اس کے ایمانیات عقلی تنقید کے معیار پر کس حد تک پورے اترتے ہیں؟ اس کے نظام میں ایمان کی حیثیت کیا ہے؟ اور انسان کے شخصی کردار اور اجتماعی سیرت پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟

اسلام کے ایمانیات قرآن مجید میں اسلام کے ایمانیات اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں کہ ان میں کسی اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے مگر جن لوگوں نے قرآن کے اسلوب بیان کو نہیں سمجھا ہے یا اس کے مضامین کا احاطہ نہیں کیا ہے، ان کو چند در چند غلط فہمیاں ہو گئی ہیں۔ قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ کہیں وہ تمام ایمانیات کو یکجا بیان کرتا ہے، اور کہیں موقع و محل کے لحاظ سے بعض اجزا یا صرف ایک جز بیان کر کے اسی پر زور دیتا ہے۔ اس سے لوگ یہ سمجھے کہ اسلام کے ایمانیات کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے یعنی ان میں سے کسی ایک یا بعض پر ایمان لانا کافی ہے، اور بعض کے انکار کرنے کے باوجود انسان فلاح پا سکتا ہے۔ حالانکہ قرآن کا ناطق فیصلہ یہ ہے کہ جتنے امور اس نے ایمانیات کے طور پر پیش کئے ہیں ان سب کو ماننا ضروری ہے۔ ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ سب مل کر ایک ناقابل تجزیہ و تحلیل کل بناتے ہیں، جس کو من حیث المجموع تسلیم کرنا چاہئے۔ اگر ان میں سے ایک کا بھی انکار کیا گیا تو وہ باقی سب کے اقرار کو باطل کر دے گا۔

قرآن میں ایک جگہ کہا گیا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ۔ (۴۱ : ۳)

اس آیت میں صرف خدا پر ایمان لانے کا ذکر ہے اور اسی پر دنیا و آخرت کی کامیابی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

دوسری جگہ خدا کے ساتھ یوم آخر کا بھی ذکر ہے مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ (۲ : ۸) یہی مضمون آل عمران (۱۲) مائدہ (۱۰) اور رعد (۳) میں بھی ہے۔

تیسری جگہ خدا اور رسولوں پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (۳ : ۱۸) یہی مضمون حدید (۴) میں بھی ہے۔

ایک اور جگہ ایمان دار اس شخص کو کہا گیا ہے۔ جو خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (۲۴ : ۹) محمد (۴) جن (۲) اور اعلیٰ (۱) میں اسی مضمون کا اعادہ ہے۔

ایک جگہ خدا، محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن تین چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا (۲۴ : ۱)

ایک جگہ خدا، کتب آلہی، قرآن اور یوم آخر چار چیزوں کا ذکر ہے۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ...... وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (۴ : ۲۲)۔

ایک اور جگہ خدا، ملائکہ انبیاء اور قرآن کے انکار کو کفر و فسق قرار دیا گیا ہے مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَرُسُلِہٖ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْکَالَ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ وَمَا یَکْفُرُ بِھَا اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ (۲ : ۱۲)۔

ایک جگہ اللہ، ملائکہ، کتب آلہی، انبیاء اور قرآن پر ایمان لانے والوں کو مومن کہا گیا ہے۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ (۲ : ۴۰)۔

دوسری جگہ ایمان کے پانچ اجزا بیان کئے گئے ہیں۔ ایمان باللہ ویوم آخر۔ و ملائکہ وکتب آلہی وانبیاء۔ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ....... اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲: ۲۲)۔

سورہ النساء میں مذکورہ بالا پانچ کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر بھی ایمان للانے کی تاکید کی گئی ہے اور ان کا انکار کرنے والے کو کافر اور گمراہ قرار دیا گیا ہے (ملاحظہ ہو رکوع ۲۰)

ایک جگہ صرف یوم آخر کے اقرار پر زور دیا گیا ہے اور اس کے انکار کو نامرادی کا سبب بتلایا گیا ہے۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰہِ (۶: ۴) اسی مضمون کا اعادہ اعراف (۱۷) یونس (۱) فرقان (۲) نمل (۱) صافات (۱) میں ہے۔

دوسری جگہ یوم آخر کے ساتھ کتب آلہی کے انکار کو بھی عذاب الیم کا موجب قرار دیا گیا ہے۔ اِنَّھُمْ کَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ حِسَابًا وَّکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا کِذَّابًا۔ (۷۸: ۱)۔

تیسری جگہ یوم آخر اور کتب آلہی کے ساتھ قرآن کو بھی ایمانیات میں شامل کیا گیا ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ۔ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲: ۱)

چوتھے مقام پر کہا گیا ہے کہ یوم آخر، کتب آلہی اور انبیاء کے انکار سے تمام اعمال پر پانی پھر جاتا ہے۔ ایسا شخص دوزخی ہے اور اس کے عمل کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ (۱۸: ۱۲)۔

کتب آلہی پر ایمان لانے کا اوپر بار بار ذکر آیا ہے، اور ان میں سے توراۃ، انجیل، زبور، اور صحف ابراہیم کے نام تصریح کے ساتھ لئے گئے ہیں۔ مگر قرآن میں بیسیوں مقامات پر بھی صاف کہدیا گیا ہے کہ ان کتابوں کا ماننا ہرگز کافی نہیں ہے۔ ان کے ساتھ قرآن کا ماننا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص تمام کتابوں کو مانتا ہو اور قرآن کو نہ مانتا ہو، تو وہ اسی طرح کافر ہے جس طرح تمام کتابوں کا انکار

کرنے والا ہے۔ ملاحظہ ہو بقرہ (۱۱-۱۲-۱۴-۱۶) نساء (۷) مائدہ (۲-۱۰) رعد (۳) عنکبوت (۵) زمر (۴) بھی نہیں بلکہ خدا کی بھیجی ہوئی ہر کتاب کو پورا کا پورا ماننا لازم ہے۔ اگر کوئی شخص اس کی بعض باتوں کو مانے اور بعض کو نہ مانے تو وہ بھی کافر ہے۔ (۲: ۱۰)

اسی طرح انبیاء کے متعلق تصریح ہے کہ ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے جن کے نام لئے گئے ہیں ان پر تفصیلاً اور جن کے نام نہیں ہیں ان پر اجمالاً لیکن اگر کوئی شخص تمام انبیاء پر ایمان رکھتا ہو اور صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرے تو وہ یقیناً کافر ہے۔ قرآن میں ایک جگہ نہیں بیسیوں مقامات پر اس کی تصریح کی گئی ہے۔ اور تمام انبیاء کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کو ایمان کی لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو بقرہ (۱۴) نساء (۲۳) مائدہ (۳-۱۱) انعام (۱۹) اعراف (۱۹-۲۰) انفال (۳) مومنون (۴) شوریٰ (۵) محمد (۱) طلاق (۲) ان میں سے اکثر آیات ایسی ہیں جن میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی امتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جب تک تم قرآن اور محمد صلعم پر ایمان نہ لاؤ تم کو ہدایت نہیں مل سکتی۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اسلام کے ایمانیات پانچ ہیں (۱) خدا (۲) ملائکہ (۳) کتب الٰہی جن میں قرآن بھی شامل ہے (۴) انبیاء جن میں رسول عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں (۵) یوم آخر یعنی قیامت۔ یہ اجمال ہے آگے چل کر بتایا جائے گا کہ ان میں سے ہر ایک کے متعلق تفصیلی عقیدہ کیا ہے؟ ان میں باہم کیا تعلق ہے جس کی وجہ سے ان کو الگ نہیں کیا جا سکتا، اور ایک کے انکار سے سب کا انکار لازم آتا ہے؟ اور ان میں سے ہر ایک کو ایمانیات میں داخل کرنے کا فائدہ کیا ہے؟

عقلی تنقید

یہ پانچوں ایمانیات امور غیب کے قبیل سے ہیں، اور عالم آب و گل سے ماوراء، اس لئے ہماری تقسیم کے مطابق یہ مذہبی و روحانی ایمانیات ہیں لیکن ان کی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام نے ان پر اپنے روحانی نظام ہی کی نہیں بلکہ اخلاقی سیاسی اور تمدنی نظام کی بنیاد بھی رکھی ہے۔ اس نے دین

اور دنیا دونوں کو باہم ملا کر ایک ایسا نظام وضع کیا ہے جس کے تحت انسانی زندگی کے تمام شعبے حرکت کرتے ہیں، اور اس نظام کو اپنے قیام و بقا اور اپنے تصرفات کے لئے جتنی طاقت کی ضرورت ہے وہ سب انہی پانچوں ایمانیات سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ اس کے لئے قوت کا ایک لامتناہی سرچشمہ ہیں جس کی رسد کبھی بند نہیں ہوتی۔

اب ہم کو دیکھنا چاہئے کہ جن ایمانیات سے اتنا بڑا کام لیا گیا ہے۔ وہ عقلی حیثیت سے کیا پایہ رکھتے ہیں؟ اور ان میں کسی ایسے ہمہ گیر اور ترقی پذیر نظام کے لئے اساس اور منبع قوت بننے کی کہاں تک صلاحیت موجود ہے؟

اس سوال کی تحقیق میں قدم آگے بڑھانے سے پہلے ہم کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام ایک ایسی تہذیب کی بنیاد رکھنی چاہتا ہے جو صحیح معنوں میں انسانی تہذیب ہو۔ یعنی اس کا تعلق کسی خاص ملک، یا نسل کے لوگوں سے نہ ہو، نہ کوئی مخصوص رنگ رکھنے والی یا مخصوص زبان بولنے والی قوم اس کے ساتھ اختصاص رکھتی ہو۔ بلکہ تمام نوع انسانی کی فلاح اس کی مقصود ہو۔ اور اس کے زیر اثر ایک ایسا نظام اجتماعی قائم ہو سکے جس میں ہر اس چیز کو پرورش کیا جائے جو انسان کے لئے بحیثیت انسان ہونے کے خیر و صلاح ہے اور ہر اس چیز کو مٹایا جائے جو اس کے لئے شر اور فساد ہے، ایسی ایک خالص انسانی تہذیب کی بنیاد ان ایمانیات پر نہیں رکھی جا سکتی جو عالم آب و گل سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس لئے کہ مادیات اور محسوسات دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو وہ ایسے ہیں جن کے ساتھ تمام انسانوں کا تعلق یکساں ہے، مثلاً سورج، چاند، زمین، ہوا، روشنی وغیرہ۔ یا ایسے ہیں جن کے ساتھ تمام انسانوں کا تعلق یکساں نہیں ہے، مثلاً وطن، نسل، رنگ، زبان وغیرہ۔ پہلی قسم کی چیزوں میں تو ایمانیات بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، کیونکہ ان کے نفس وجود پر ایمان لانا تو محض بے معنی ہے، اور ان پر اس حیثیت سے ایمان لانا کہ وہ انسان کی صلاح میں کوئی اختیاری تاثیر رکھتے ہیں۔ از روئے علم و عقل غلط ہے۔ علاوہ بریں ان پر کسی حیثیت سے بھی ایمان لانے کا کوئی نفع انسان کی روحانی، اخلاقی اور عملی زندگی میں مترتب نہیں ہوتا۔ رہیں دوسری قسم کی چیزیں، تو یہ ظاہر ہے کہ وہ ایک مشترک انسانی تہذیب کے لئے اساس نہیں بن سکتیں، کیونکہ وہ بنائے تفریق و

تقسیم ہیں، نہ کہ بنائے جمع و تالیف۔ لہذا یہ قطعاً ناگذیر ہے کہ اس قسم کی تہذیب کی بنیاد ایسے ایمانیات پر رکھی جائے جو مادیات و حسیات سے ماوراء ہوں۔"

لیکن ان کا محض مادیات و حسیات سے ماوراء ہونا ہی کافی نہیں ہے، اس کے ساتھ ضرورت ہے کہ ان میں چند اور خصوصیات بھی پائی جائیں۔

۱۔ وہ خرافات اور اوہام نہ ہوں بلکہ ایسے امور ہوں جن کی تصدیق پر عقل سلیم مائل ہو سکتی ہو۔

۲۔ وہ دور از کار باتیں نہ ہوں بلکہ ہماری زندگی سے ان کا گہرا تعلق ہو۔

۳۔ ان میں ایسی معنوی قوت ہو جس سے تہذیب کا نظام، انسان کے قوائے فکر و عمل پر تسلط قائم کرنے میں پوری طرح مدد حاصل کر سکے۔

اس لحاظ سے جب ہم اسلام کے ایمانیات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تینوں آزمائشوں میں پورے اترتے ہیں۔

اولاً اسلام نے خدا، ملائکہ، وحی، رسالت اور یوم آخر کا جو تصور پیش کیا ہے اس میں کوئی استحالۂ عقلی نہیں ہے، اس کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا صحیح ہونا غیر ممکن ہو، نہ کوئی ایسی بات ہے جس کو ماننے سے عقل سلیم انکار کرتی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ عقل ان کا احاطہ نہیں کر سکتی ان کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی، ان کی حقیقتوں کو کماحقہ نہیں سمجھ سکتی، لیکن ہمارے اہل علم و حکمت نے اب تک جتنے مجردات و مفارقات کی تصدیق کی ہے ان سب کا یہی حال ہے۔ توانائی (انرجی) حیات، جذب و کشش، نشو و ارتقاء اور ایسے ہی دوسرے امور کی تصدیق ہم نے اس بناء پر نہیں کی ہے کہ ہم انکی حقیقتوں کو پوری طرح سمجھ چکے ہیں، بلکہ اس بناء پر کی ہے کہ ہم نے جن مختلف قسم کے مخصوص آثار کا مشاہدہ کیا ہے، ان کی توجیہ و تعلیل کے لئے ہمارے نزدیک ان امور کا موجود ہونا ضروری ہے، اور ظواہر اشیاء کے باطنی نظام کے متعلق جو نظریات ہم نے قائم کئے ہیں وہ ان امور کے موجود ہونے کا اقتضاء کرتے ہیں۔ پس اسلام جن مجردات غیبیہ

ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ ان کی تصدیق کے لئے بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہماری عقل ان کی حقیقتوں کو پوری طرح سمجھ لے اور ان کا احاطہ کرلے بلکہ اس کے لئے صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کائنات اور انسان کے متعلق جو نظریہ اسلام نے قائم کیا ہے۔ وہ خلاف عقل نہیں ہے، اس کا صحیح ہونا اغلب ہے، اور وہ ان پانچوں امور کے وجود کا مقتضی ہے جو اسلام نے ایمانیات کے طور پر پیش کئے ہیں۔

اسلام کا نظریہ ہے کہ (۱) کائنات کا نظم ایک قادر مطلق ہستی کا قائم کیا ہوا ہے اور وہی اس کو چلا رہی ہے۔ (۲) اس قادر مطلق ہستی کے ماتحت بے شمار دوسری ہستیاں ہیں جو اس کے احکام کے مطابق اس وسیع کائنات کی تدبیر کر رہی ہیں۔

(۳) انسان کے وجود میں اس کے خالق نے خیر اور شر دونوں کے میلانات رکھے ہیں۔ دانائی اور نادانی، علم اور جہل دونوں کا اس کے اندر اجتماع ہے غلط اور صحیح دونوں طرح کے راستوں پر وہ چل سکتا ہے ان متضاد قوتوں اور متخالف میلانات میں سے جس کا غلبہ ہوتا ہے اسی کی پیروی انسان کرنے لگتا ہے۔ اس تنازع خیر و شر میں خیر کی قوتوں کو مدد پہونچانے اور انسان کو سیدھی راہ دکھانے کے لئے اس کا خالق خود بنی نوع انسان ہی میں سے ایک بہتر آدمی کو انتخاب کرتا ہے اور اس کو علم[۴] صحیح عطا کرکے لوگوں کی ہدایت پر مامور کر دیتا ہے۔ انسان[۵] کوئی غیر ذمہ دار اور غیر مسئول ہستی نہیں ہے۔ وہ اپنے تمام اختیاری اعمال کے لئے اپنے خالق کے سامنے جواب دہ ہے۔ ایک دن اس کو ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا۔ اور اپنے اعمال کے اچھے یا برے نتائج دیکھنے ہوں گے۔

یہ نظریہ خدا، ملائکہ، وحی، رسالت اور یوم آخر پانچوں امور کے وجود کا مقتضی ہے۔ اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو عقلاً محال ہو۔ نہ اس کی کسی چیز کو وہمیات و خرافات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے برعکس اس کے ہم اس پر جس قدر زیادہ غور کرتے ہیں اسی قدر اس کی تصدیق کی جانب ہمارا میلان بڑھتا جاتا ہے۔ خدا کی حقیقت خواہ ہماری سمجھ میں نہ آسکے، مگر اس کا وجود تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں یہ ایک

ایسی ضرورت ہے جس کے بغیر کائنات کا معما کسی طرح حل نہیں ہوتا۔ ملائکہ کے وجود کی کیفیت ہم متعین نہیں کر سکتے مگر ان کے نفس وجود میں شک کی گنجایش نہیں ہے۔ تمام اہل علم و حکمت نے ان کی ہستی کو کسی نہ کسی طور پر تسلیم کیا ہے۔ اگرچہ وہ ان کو اس نام سے یاد نہیں کرتے جس سے قرآن انہیں موسوم کرتا ہے۔ قیامت کا آنا اور ایک نہ ایک دن دنیا کے نظام کا درہم برہم ہو جانا عقلی قیاسات کی رو سے اغلب بلکہ قریب بیقین ہے البتہ انسان کا اپنے خدا کے آگے جواب دہ ہونا، اور اپنے اعمال کے لئے مستوجب جزا و سزا ہونا کسی قطعی دلیل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مگر عقل سلیم اس حد تک تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ انسان کی موت اور موت کے بعد کی حالت کے مطابق جتنے نظریے قائم کئے گئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ ......

بہتر نتیجہ خیز اور اقرب الی القیاس نظریہ وہی ہے جو اسلام نے قائم کیا ہے۔ رہا وحی اور رسالت کا مسئلہ تو یہ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی سائینٹفک ثبوت نہیں پیش کیا جا سکتا مگر جن کتابوں کو وحی الہی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، اور جن لوگوں کو خدا کا رسول کہا گیا ہے' ان کے معانی اور ان کی سیرتوں کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نوع انسانی کے افکار و اعمال پر ان کے برابر گہرے' وسیع پائدار اور مفید اثرات کسی کتاب اور کسی رہنما نے نہیں ڈالے۔ یہ بات اس امر کا یقین کرنے کے لئے کافی ہے کہ ان میں کوئی غیر معمولی بات ضرور تھی جو نہ انسانی تصنیفات کو نصیب ہے۔ اور نہ معمولی انسانی لیڈروں کو۔

اس بیان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے ایمانیات عقل کے خلاف نہیں ہیں عقل کے پاس ان کی تکذیب کے لئے کسی قسم کا مواد نہیں ہے۔ ان میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ علمی اور عقلی ارتقاء کے کسی مرتبہ پر پہنچ کر انسان ان کو رد کر دینے پر مجبور ہو جائے۔ بلکہ اس کے برعکس عقل ان کی اغلبیت کا حکم لگاتی ہے۔ ۔ ۔ ایمان اور تصدیق کا معاملہ، تو اس کا تعلق عقل سے نہیں ہے، وجدان اور ضمیر سے ہے۔ ہم جتنے مجردات اور غیبیات کو مانتے ہیں، ان سب کی تصدیق دراصل ہمارے وجدان پر مبنی ہوتی ہے۔ اگر کسی امر غیب کو ہم نہ ماننا چاہیں یا ہمارا دل اس پر نہ ٹھکتا ہو، تو کسی عقلی دلیل سے

ہم کو اس کی تصدیق پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر ایتھر کے وجود پر جتنے دلائل قائم کئے گئے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو یقینی طور پر اس کو ثابت کر دیتا ہو، اور اس کی صحت میں شک کی گنجائش نہ چھوڑتا ہو انہیں دلائل کو دیکھ کر بعض اہل حکمت اس پر ایمان لے آتے ہیں، اور انہیں کو بعض دوسرے حکماء ناکافی سمجھ کر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ پس تصدیق و ایمان کا انحصار در اصل ضمیر کے اطمینان اور وجدان کی گواہی پر ہے البتہ عقل کا اس میں اتنا دخل ضرور رہے کہ جن کی تصدیق عقل کے خلاف ہوتی ہے ان کے بارے میں وجدان اور عقل کے درمیان کشمکس برپا ہوتی ہے، اور ایمان ضعیف ہو جاتا ہے۔ اور جن کی تصدیق قیاس عقلی کے خلاف نہیں ہوتی، یا جن کی تصدیق میں عقل بھی ایک حد تک مددگار ہے ہوتی ہے، ان کے بارے میں ضمیر کا اطمینان زیادہ بڑھ جاتا ہے، اور اس سے ایمان کو قوت حاصل ہوتی ہے

ثانیاً غیبیات میں سے بیشتر امور ایسے ہیں جن کی حیثیت محض علمی ہے یعنی ان سے ہماری عملی زندگی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً جواہر فردہ (Atoms) برق پارے (Electrons) ایتھر (Ether) ھیولیٰ، صورت مطلقہ، مادہ، فطرت و قانون فطرت، قانون علت و معلول اور ایسے ہی بیسیوں علمی مسلمات یا مفروضات کہ ان کے ماننے یا نہ ماننے کا ہماری زندگی کے معاملات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن اسلام نے جن امور غیب پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے وہ ایسے نہیں ہیں ان کی حیثیت محض علمی ہی نہیں ہے، بلکہ ہماری اخلاقی اور عملی زندگی سے ان کا گہرا تعلق ہے ان کی تصدیق کو اصل الاصول قرار دینے کی وجہ یہی ہے کہ وہ محض علمی صداقتیں ہی نہیں ہیں، بلکہ ان کا صحیح علم اور ان پر کامل ایمان ہمارے نفسانی اوصاف و خصائل ہمارے شخصی اعمال اور اجتماعی معاملات پر شدت کے ساتھ اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

ثالثاً اسلام کے نظام تہذیب کو مختلف عقلی اور علمی مراتب رکھنے والی وسیع انسانی آبادیوں کی زندگی کے مخفی اور جزئی سے جزئی شعبوں تک میں اپنی حکومت قائم کرنے اور اپنی گرفت مضبوط

رکھنے کے لئے جس قوت کی ضرورت ہے وہ صرف انہی ایمانیات سے حاصل ہوسکتی ہے جن کی تصدیق کا اسلام نے مطالبہ کیا ہے۔ یہ یقین کہ ایک سمیع و بصیر، قاہر و غالب اور رؤوف و رحیم خدا ہمارے اوپر حکمران ہے۔ اس کے بیشمار لشکر ہر جگہ ہر آن موجود ہیں پیغمبر اسی کا بھیجا ہوا ہے۔ جو احکام اس نے ہمکو دئے ہیں وہ اس نے خود نہیں گھڑے ہیں۔ بلکہ یہ سب خدا کی طرف سے ہیں، اور اپنی اطاعت یا سرکشی کا اچھا یا برا نتیجہ ہم کو ضرور دیکھنا پڑے گا۔ اپنے اندر وہ زبردست اور ہمہ گیر طاقت رکھتا ہے جو اس کے سوا کسی اور ذریعے سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ مادی طاقتیں صرف جسم کو جکڑ سکتی ہیں۔ تربیت اور تعلیم کے اخلاقی اثرات انسانی سوسائٹی کے صرف اعلیٰ طبقوں تک پہنچ سکتے ہیں، قانون صرف وہاں کام کرسکتا ہے جہاں اس کے کارندوں کی پہنچ ہو، مگر یہ وہ قوت ہے جو دل اور روح پر قبضہ کرتی ہے، عوام اور خواص، جاہل اور عالم، دانشمند اور بے دانش سبھی کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے جنگل کی تنہائیوں اور رات کی تاریکیوں تک میں اپنا کام کرتی ہے، جہاں گناہ سے روکنے والا، اس پر ملامت کرنے والا حتیٰ کہ اس کو دیکھنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔ وہاں خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین، پیغمبر کی دی ہوئی تعلیم کے برحق ہونے کا یقین، قیامت کی بازپرس کا یقین، وہ کام کرتا ہے جو نہ کوئی پولیس کا سپاہی کرسکتا ہے، نہ عدالت کا حاکم، نہ پروفیسر کی تعلیم۔ پھر جس طرح اس یقین نے معمورۂ ارضی پر پھیلے ہوئے بیشمار مختلف و متضاد انسانی عناصر کو جمع کیا، ان کو ملاکر ایک قوم بنایا، ان کے تخیلات، اعمال اور اطوار میں غایت درجہ کی یکجہتی پیدا کی، ان کے اندر اختلاف ظروف و احوال کے باوجود ایک تہذیب پھیلائی، اور ان میں ایک اعلیٰ مقصد کے لئے فداکاری کی والہانہ روح پھونکی اس کی مثال کہیں ڈھونڈے نہیں مل سکتی (باقی)

یورپ کی تباہی کے اسباب

از

جناب ذوقی شاہ صاحب

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْۤ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ج اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ سَآءَ مَثَلًا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ج وَمَنْ يُّضْلِلْ

"اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو کہ ہم نے اس کو اپنی نشانیاں دیں، پھر وہ ان سے نکل گیا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا، سو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان نشانیوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے مگر وہ تو زمین ہی کا ہو گیا (یعنی دنیا کی جانب ٹوٹ پڑا)، اور اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرنے لگا تو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر بوجھ لادے تب بھی زبان لٹکا دے اور ہانپنے لگے، اور چھوڑ دے تب بھی زبان لٹکا دے (اور ہانپنے لگے)، یہی حالت اس قوم کی بھی ہے جس نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، تو تم اس قصہ کو انھیں سنا دو تاکہ وہ کچھ غور و فکر کریں۔ اس قوم کی حالت بری ہے جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتی ہے اور اپنی اس حرکت سے وہ لوگ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت کرے وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ گمراہ

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝
وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا
مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ
لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا
يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ
بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝
× × × × × × وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ اَوَ
لَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ
جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَ
لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ
وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ
اَجَلُهُمْ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝
مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَيَذَرُهُمْ
فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

(الاعراف۔ رکوع ۲۲-۲۳)

کرے وہ خسارہ میں رہا۔ اور البتہ تحقیق ہم نے دوزخ
کے لیے بہت سے جن اور انسان پیدا کیے
کئے۔ جن کے دل ہیں
مگر ان سے وہ سمجھتے نہیں، اور جن کی آنکھیں ہیں مگر
ان سے دیکھتے نہیں، اور جن کے کان ہیں مگر وہ ان
سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی
زیادہ گمراہ۔ یہ لوگ غافل ہیں × × × × × ×
اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں ہم تدریج
ان کو اس طرح لئے جاتے ہیں کہ انھیں خبر بھی نہیں
ہونے پاتی اور میں ان کو ڈھیل دیتا ہوں (مگر) میری
تدبیر نہایت مضبوط ہے۔ کیا وہ لوگ غور نہیں کرتے
کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی اچھی تعلیم دی
اور (ایسی اچھی تعلیم دینے والے) صاحب میں ناممکن
ہے کہ ذرا سا بھی جنون ہو بلکہ وہ تو صاف صاف
(بری باتوں کے نتائج بد سے) ڈرانے والے ہیں کیا
وہ لوگ اس بادشاہت پر بھی نظر نہیں ڈالتے (اور
غور نہیں کرتے) جو آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی
ہے اور جو ہر اس چیز پر حکمران ہے جو اللہ تعالیٰ نے
پیدا کی، اور کیا اس بات کا امکان بھی ان کے ذہن میں نہیں آتا کہ ان کی اجل ہی قریب آگئی ہو۔

پھر اس کے ماورا ئے یہ لوگ اب کس بات پر ایمان لاوین گے جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ ایسوں کو بوجہ ان کی سرکشی کے وہ گمراہی میں بھٹکتا اور سرگردان چھوڑ دیتا ہے ۔"

تمدن جدید کی اس ہوش اوڑا دینے والی روشنی میں، تہذیب وشائستگی کے طول طویل دعووں کی اس لمبد آہنگی میں، سائنس اور حکمت کے اس نظر فریب دور میں امن وامان کا چیخ چیخ کر کلمہ پڑھنے والی اس بیسویں صدی میں، یورپ کی ۱۹۱۴ء والی خونخوار اور خوفناک جنگ کیسے وقوع میں آگئی جو اپنی خونخواری میں اپنی نظیر آپ ہی ہے اور جس کے تباہ کن اثرات سے ساری دنیا چیخ اٹھی ؟ سمندر میں آگ لگائی گئی، خشکی پر موت برسائی گئی، خدا کی پیدا کردہ پاک صاف حیات بخش حیات پرور ہوا زہر سے بجھائی گئی۔ آب دوز کشتیوں نے مچھلیوں تک کو چین نہ لینے دیا، توپوں اور ہوائی جہازوں نے چرند پرند اور کیڑوں مکوڑوں تک کو آرام نہ کرنے دیا۔ کمزور عورتیں اور معصوم بچے تباہ ہو گئے۔ بے گناہ انسان کثیر تعداد میں فنا کی وادی میں دھکیل دیے گئے، اندھوں لولوں لنگڑوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا۔ پبلک کا روپیہ بجائے امور منفعتِ عامہ میں صرف ہونے کے کروڑوں نہیں بلکہ اربوں کی مقدار میں گولی بارود میں پھونک دیا گیا، زہریلی گیس میں اُڑا دیا گیا۔ اللہ کی زمین کو ویران کیا گیا۔ دنیا کو مفلس ونادار، مصیبت زدہ بنا دیا گیا۔ یہ سب کچھ آخر کیوں ہوا اور تہذیب وشائستگی کے نام پر جدید اور انوکھے معنی کا یہ لباس کس اٹل ضرورت کی بنا پر پہنایا گیا ؟ پھر میدان جنگ کی ہیبت ناک خونریزیوں کے ختم ہوتے ہی دنیا میں چاروں طرف اقتصادی اور تجارتی جنگ کی گرم بازاری کیوں شروع ہو گئی اور دنیا کو چین لینے اور چین سے بیٹھنے کا موقع کیوں اب تک نہ مل سکا ؟ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات جو قابل استفسار رہے یہ ہے کہ مغربی دنیا نے اس جنگ سے اب تک کما حقہٗ کوئی مفید سبق کیوں نہ حاصل کیا اور چپکے چپکے ایک دوسری جنگ کی تیاریاں کیوں عمل میں آرہی ہیں جو پہلی جنگ سے بھی بہت زیادہ خونخوار اور بھیانک ثابت ہونے کی دھمکی دے رہی ہے ؟ ۔

یہ سچ ہے کہ لڑائیاں اس دنیا میں پہلے بھی ہو چکی ہیں۔ لوٹ مار اور کشت و خون کی نوبت پہلے بھی بارہا آچکی ہے، زمین کے محدود حصوں کے عارضی حکمران پہلے بھی آپس میں سر ٹکرا چکے ہیں۔ مگر اے یورپ کے باشندو! اور اے یورپ کے باشندے ہونے پر فخر کرنے والو! وہ زمانہ تو اتنا ترقی یافتہ تھا جتنا ترقی یافتہ کہ تم اپنے زمانہ کو قرار دیتے ہو وہ لوگ تو تمہارے نزدیک وحشی یا نیم وحشی تھے۔ ان کا تمدن تو تمہاری نگاہ میں بہت گرا ہوا تھا۔ تم اپنے نزدیک اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ، اعلیٰ درجہ کا ترقی یافتہ، اعلیٰ درجہ کا حریت پسند، آزادی کا عاشق، امن و امان کا دلدادہ، منصف مزاج، انصاف پرور، مساوات کا حامی، جمہوریت پر شیدا، اور خون ناحق کا دشمن سمجھتے ہو۔ تم کیوں جنگ کے وحشیانہ گڑھے میں کود پڑے؟ تم نے کیوں اپنے سائنس کے بل بوتے پر اپنے سائنٹفک اکتشافات کی مدد سے (جن کو تم نے بقول خود خلق کی نفع رسانی کے لئے ایجاد کیا تھا) انسانی خون کی وہ ندیاں بہائیں جنہیں دیکھ کر تاریخ گذشتہ کے خونیں اوراق زرد پڑ گئے؟ تمہیں تو اپنی اعلیٰ ترقیوں پر وہ ناز ہے کہ تم اپنے لئے مذہب کی ضرورت ہی کو تسلیم نہیں کرتے خدا کی رہنمائی ہی کو ضروری قرار نہیں دیتے۔ خدا کے وجود تک کے منکر ہو۔ یا کم از کم ذات باری کی ہستی کے متعلق شک و شبہ میں گرفتار ہو۔ تمہارے نزدیک مذہب ایک ڈھکوسلہ ہے، خبط ہے، توہم پرستی ہے۔ صرف نیم وحشی اقوام کو ڈرا دھمکا کر سیدھا رکھنے کا ایک بہانہ ہے۔ تم اپنی ہستی کو اس درجہ برتر سمجھتے ہو کہ مذہب کی ضرورت سے تم نے اپنے کو مستغنی قرار دے رکھا ہے۔ مذہب اور صحیح معنوں میں روحانیت سے تم کو نفرت ہے، اور باوجود ان عقل پرور چیزوں سے بے تعلقی کے تم اپنے کو عقلمند سمجھتے ہو۔ تم یہ بھی نہیں جانتے کہ عقل ایک روحانی چیز ہے جسمانیت اور مادیت سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ ایک مٹی کی مورت بناؤ، اینٹ چونے پتھر کا ایک بت تیار کرو، مضبوط فولاد کا ایک مجسمہ بنا کر کھڑا کرو اور کل پرزے لگا کر اسے متحرک کر دو۔ برقی قوت اور مشینوں کے ذریعہ سے اس کے ہاتھ پیروں سے کام لینا شروع کر دو۔ گراموفونی پرزے اس کے پیٹ میں لگا کر اسے بولتے ہوئے انسان کے مشابہ بھی کسی نہ کسی حد تک بنا دو۔ یہ سب کچھ تم کر گذرو گے۔ مگر اس میں عقل انسانی کسی طرح نہ پیدا کر سکو گے

تمہارا سائینس اور تمہاری ترقیاں، اور تمہارا تمدن تو آجکل اچھے خاصے انسانوں کو بے عقل مگر اوقات کی پابند ورڈسپلین کی پابند مشینیں بنا رہا ہے تم بھلا ایک مشین کو عاقل بالغ انسان کیا بنا سکو گے۔

عقل کے محکمہ سے تو ابتک تمہیں سابقہ ہی نہیں پڑا۔ یہ سچ ہے کہ ان بے حس مگر باحرکت مشینوں کے بنانے میں تمہیں کسی قدر عقل ضرور خرچ کرنی پڑتی ہے اور نہ صرف وہ تھوڑی سی عقل جو تم دکھتے ہو بلکہ تمہارا اس دنیا میں زندہ ہونا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ تم میں بھی روح ہے اور تم علاوہ اس جسم خاکی کے روح بھی رکھتے ہو، مگر اس روح کی طرف سے تمہاری بے التفاتی اور اس کے متعلق تمہارا جہل اور اسکی اصلی غذا سے تمہارا اسے محروم رکھنا تمہاری عقل کی موجودہ خرابیوں کا باعث ہے گو تم تسلیم نہ کرو مگر عملاً تمکو بھی روح سے ایک تعلق ہے اگرچہ وہ تعلق نہایت ضعیف و محدود ہے۔ تم کو روح سے بس اتنا ہی واسطہ ہے کہ وہ تمہارے جسم کو زندہ رکھتی ہے۔ روح کی طرف سے تمہاری بے اعتنائی کے یہی معنی ہیں کہ روح میں عالم ارواح سے متعلق جو کمالات پیدا کرنے کی صلاحیت ہے ان سے تم بالکل اجنبی ہو۔ مگر جہاں روح کے وہ افعال ہیں جو عالم بالا سے متعلق ہیں وہاں اس کا ایک فعل یہ بھی ہے کہ وہ کچھ عرصہ تک تمہارے جسم عنصری کو اس دنیا میں زندہ رکھتی ہے بس روح کے اسی ایک فعل سے تمہیں علی تعلق ہے خواہ تم اس تعلق کو خیال میں نہ لاؤ اور اس کا اعتراف نہ کرو، اور اس معنی میں باوجود نہ جاننے اور نہ ماننے کے روح سے تمہارا ایک محدود تعلق ہے جس قدر روح سے تمہارا تعلق محدود ہے اسی قدر تمہاری عقل کا فعل بھی محدود ہے۔ اور جس قدر تم اپنی عقل کے فعل کو محدود کرتے جاتے ہو اسی قدر تمہاری عقل سکڑتی جاتی ہے سائنس اور آرٹس میں جو ترقیاں تم کر رہے ہو وہ عقل کی محدودیت ہی کا نتیجہ ہیں، اور فوق المادہ اور مابعد الطبیعی امور میں جو تمہاری نگاہ کام نہیں دیتی وہ بھی تمہاری عقل کی محدودیت کا نتیجہ ہے پچھلی بات کا سمجھ لینا آسان ہے مگر ممکن ہے کہ پہلی بات کے سمجھنے میں یعنی یہ سمجھنے میں کچھ اشکال پیش آئیں کہ عقل کی محدودیت کا نتیجہ سائنس اور آرٹس کی ترقی کیونکر ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ بات ذرا مزید تفصیل کی محتاج ہے۔

عالم ارواح کے مقابلہ میں عالم اجسام یا عالم مادۂ کثیف نہایت تنگ و تاریک اور نہایت درجہ محدود ہے۔ تم نے اپنے میدان عمل کو مادیت کی چہار دیواری میں محدود کر رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ محدود احاطہ میں محدود قوت خوب کام دیتی ہے۔ ایک معمولی چراغ لو اور رات کے وقت اسے ایک وسیع اور کھلے ہوئے میدان میں رکھ دو، اس کی روشنی اس میدان میں بالکل کام نہ دیگی۔ وہ چراغ شب تاریک میں اس میدان میں صرف ایک جگنو کی طرح چمکیگا جو باوجود خود روشن ہونے کے میدان کو روشن نہ کر سکے گا۔ مگر اس چراغ کو لاکر کسی چھوٹی سے بند کوٹھڑی میں رکھ دو۔ ساری کوٹھری روشن ہو جائے گی۔ میدانوں میں بیشمار جگنوں شب تاریک میں چمکتے پھرتے ہیں۔ مگر تاریکیٔ شب کو دور نہیں کر سکتے۔ لیکن ایک جگنوں بئے کے گھونسلے کو روشن کر دیتا ہے۔

اے ترقی جدید کے متوالو! تمہاری عقل کے جگنوں عالم ارواح کی فضائے بسیط میں کام نہیں دیتے مگر مادیت کے بئے کے گھونسلے کو روشن کر دیتے ہیں۔ ہمارے لیمپ کی روشنی اعلیٰ تر مناظر کی سیر میں مصروف ہے۔ وہ بئے کے گھونسلے کو بھی باہر سے دکھلا رہی ہے اور اس کے طول و عرض کو بھی بتلا رہی ہے۔ مگر گھونسلے کے اندر جانا نہیں چاہتی۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ ارباب روحانیات نے اگر ہوائی جہاز ایجاد نہیں کئے اور جدید آلاتِ ہلاکت کے ذریعہ خلق اللہ پر موت کی دھواں دھار بارش نہیں کی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عقل و فہم و ادراک میں وہ حضرات تم سے بہت زیادہ بڑے ہوئے نہیں ہیں۔ اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ تمہاری محدود و کمزور اور ناقص عقل تم لوگوں کی صحیح رہنمائی کر رہی ہے۔

تمہارا فہم ناقص جس ترقی پر ناز کر رہا ہے اور تمہارے کوتاہ اندیش مشرقی مقلد جس ترقی کی نقل اوتارنا اپنا معراج سمجھتے ہیں، اگر انصاف سے دیکھا جائے تو وہ ترقی بنی نوع انسان کے لئے مصیبت عظیم ثابت ہو رہی ہے۔

تمہارے تمدن نے مشکلات زندگی کو بڑھا دیا، کشمکش ہستی کو سخت کر دیا، تنازع للبقا کو بہت زیادہ

تلخ بنادیا تمہارے ممالک میں ایک طرف انتہادرجہ کا تمول انتہادرجہ کی خود غرضی کے ساتھ اور انتہادرجہ کی وحشیانہ قوت انتہادرجہ کی رعونت وخود پرستی کے ساتھ اپنے غلبہ کے نشہ میں سرشار ہے، تو اس کے ساتھ ہی بلکہ اسی کے سایہ میں دوسری طرف انتہادرجہ کا افلاس انتہادرجہ کی مصیبت بے بسی اور کس مپرسی کی اعضا شکنی میں مبتلا ہوکر پہلے حسرت وتمنا کے ساتھ دولت کا منہ تکتا ہے، پھر مایوس ہوتا ہے، پھر مجبور ہوکر نہایت خونخوار بغاوت پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ تمہارے دولتمند چین سے بیٹھنے پاتے ہیں، نہ تمہارے مفلس اور مزدوری پیشہ لوگ صبر وقناعت کی دولت سے متمتع ہوسکتے ہیں معیار زندگی تم نے بلاوجہ اور بلاضرورت اس قدر بڑھا دیا ہے، ضرورت زندگی میں اس درجہ لایعنی اضافہ کردیا ہے، فضول خرچیوں کو اپنی کوتاہ نظری سے لوازمات زندگی میں شامل کرلیا ہے کہ اب امراء کے لئے اپنی وجاہت کا برقرار رکھنا اور غرباء کے لئے اپنی ہستی کا قائم رکھنا دشوار ہوگیا ہے مصنوعات میں زیادتی ہے مگر تجارت میں انحطاط۔ بازاروں میں مال کی کثرت ہے مگر خریداروں کی قلت۔ تم اپنے ان ہی پرانے غلط اصولوں پر قائم رہکر نئی نئی تجویزیں سوچتے ہو، نئے نئے اعلانات شائع کرتے ہو، اپنی رعایا کو مطمئن کرنے کے لئے نئے نئے وعدے کرتے ہو، سکہ کی قیمتوں میں اپنی مصلحتوں کی بنا پر کتر بیونت کرتے رہتے ہو، چند وقتی عارضی اور سطحی نتائج پر اپنے دل کو طفل تسلی دے لیتے ہو، مگر واقعات کی دنیا میں کوئی تسلی بخش اور اطمینان پیدا کرنے والی تبدیلی نہیں واقع ہوتی۔

ہمسایہ ممالک کے باہمی مناقشات رشک حسد اور کینہ کی آنچ میں گرم ہوکر عداوت کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ اور تمہارے آپس کے جا وبیجا مقابلوں اور جائز وناجائز مسابقت باہمی نے تمہیں اور ساری دنیا کو اور بھی زیادہ بے چین کر رکھا ہے۔ تم میں سے ہر قوم اپنی ہمسایہ قوموں بلکہ دنیا کی تمام دیگر اقوام کو اپنے مقابلہ میں ذلیل سمجھتی ہے جس کی وجہ سے اس دنیا میں عام اخوت انسانیت کا پیدا ہونا ناممکن ہوگیا ہے۔ باوجود تقریروں اور تحریروں کے میدان میں حریت اور آزادی کا نہایت

اپنا جھنڈا بلند کرنے کے تمہیں کالے گورے میں امتیاز کے مرض ہی سے ابھی تک نجات حاصل نہیں ہوئی۔ ہم قوم اور غیر قوم، ہوم (Home) اور فارن (Foreing) اپنے اور پرائے کی تفریق تمہیں متفرق و منتشر کئے ہوئے ہے۔ جس طرح اپنے علم اور سائنس کی قوت سے تم نے گذشتہ جنگ یورپ کو خونخواری اور بہیمیت میں جنگ ہائے گذشتہ سے بڑھا دیا اسی طرح اسی علم اور سائنس کی بڑھتی ہوئی قوت کی بدولت تمہارے ممالک میں جرائم کی نوعیت و روز افزونی کی بھی قرون ماقبل میں نظیر نہیں ملتی۔ سائنٹفک آلات سے چوریاں ہوتی ہیں، سائنٹفک ایجادات سے قفل شکنیاں عمل میں آتی ہیں۔ ادویہ جدیدہ سے مسروق بیہوش کئے جاتے ہیں، موٹر پر سوار ہو کر ڈاکے ڈالے جاتے ہیں۔ دولتمندوں کے معصوم بچے چوری ہو جاتے ہیں اور مار ڈالے جاتے ہیں، اور مجرموں کے گرفتار کرنے میں پولیس ناکام رہتی ہے۔ انصاف کو تم نے اتنا گراں کر دیا ہے کہ غربا اسے خریدنے سے عاجز ہیں۔

تمہارے اس حیا سوز اور اخلاق شکن تمدن میں عورتوں کے مسئلہ نے اس درجہ نزاکت اختیار کر لی ہے کہ تم خود بھی چکر میں آ گئے ہو۔ نسوانی بے باکیاں اور سینہ زوریاں تمہاری زندگی کو تلخ کر رہی ہیں، تمہاری خانہ داری کو برباد کر رہی ہیں، تمہاری اولاد کی پرورش اور تربیت میں مشکلات پیدا کر رہی ہیں، اور تمہاری سوسائٹی کے شیرازہ کو درہم و برہم کر رہی ہیں۔ نیم برہنگی فیشن میں داخل ہوتی جاتی ہے جسے تم بیک ٹو نیچر (Back to nature) یعنی "مراجعت بہ فطرت" سے تعبیر کرتے ہو۔ باوجود اس بڑھتی ہوئی برہنگی اور اس تقلیل لباس کے درزی کا بل اور پف پوڈر، لپ اسٹک ( ) اور اس نوع کی دیگر چیزوں کے اخراجات شوہروں کے دیوالے نکال رہے ہیں۔ نکاح سے بیزاری و طلاق کی گرم بازاری مزید برآں توالد و تناسل کی راہ میں روز افزوں [illegible] کی جدید کوششیں ثابت کرتی ہیں کہ یورپ کی نگاہ میں بنی نوع انسان کی وہ وقعت نہیں جو وقعت کہ [illegible] کو حاصل ہے جن کے نزدیک شیدائیان [illegible] کا کام دینے کے لئے [illegible]

نسوانی کی پیچیدگیوں نے افسوس ہے کہ جدید یورپ کے معیار شرافت کو بدل ڈالا۔

تم نے ایک عرصہ تک اپنے کو اور دوسروں کو اس مغالطہ میں رکھا کہ تمہارا طرز حکومت مائل بجمہوریت ہے۔ حالانکہ فرمانروائی کا لطف حقیقتاً تم میں کی کسی نہ کسی اعتبار سے جماعت غالب ہی کے حصے میں آتا رہا۔ اس کا جو لازمی نتیجہ ہونا تھا وہ ہوا یہاں تک کہ تم کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ جمہوریت ناکام رہی۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈکٹیٹر شپ کے نام سے اب پھر شخصی حکومت جمہوریت کی جگہ لے رہی ہے۔ بیچارہ ہندوستان، مفلس ہندوستان، عقل سلیم سے معرا ہندوستان، یورپ کا پسخوردہ کھانے والا موجودہ ہندوستان، اب جبکہ دنیا نے جمہوریت کے خلاف فیصلہ سنا دیا، جمہوریت کی طلب و تمنا میں ٹھنڈی آہیں کھینچ رہا ہے۔

سٹی ٹیمپل لنڈن کے ڈاکٹر ایف۔ ٹی۔ نارووڈ (Dr. F. T- Norwood) جو دنیا کی سیاحت میں مصروف ہیں آج کل ہندوستان آئے ہوئے ہیں۔ حال میں انہوں نے ریاست ٹرانکور کے صدر مقام ٹراونیڈ ورم میں ایک تقریر کی ہے جسکے چند اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں یہ تقریر ۶ر نومبر ۱۹۳۳ء کے ٹائمس آف انڈیا میں شائع ہو چکی ہے۔

"دنیا میں آجکل جو تباہی رونما ہے وہ ان تمام تباہیوں سے مختلف ہے جو اس سے قبل دنیا میں پیش آچکی ہیں ساری دنیا آج کل جس تباہی میں مبتلا ہے اس کا باعث نہ تو افلاس ہے نہ کمزوری بلکہ اس کا باعث انتہای تمول اور انتہائی قوت ہے۔ زمانہ ماقبل کے لوگوں پر سیلاب اور قحط کی بدولت تباہیاں نازل ہوئیں مگر ان تباہیوں میں ان لوگوں پر وہ شدید مصیبتیں نہیں ٹوٹیں جو آج لوگوں پر ٹوٹ رہی ہیں۔ پہلے انسان کو سائنس پر کبھی اتنی کامل دسترس حاصل نہ ہوی تھی جتنی کہ اب اسے حاصل ہے نہ کبھی اس سے قبل مصنوعات کی تیاری اور فراہمی کی قوت میں انسان کو وہ کمال حاصل ہوا تھا جو کہ آجکل اسے حاصل ہے۔ مگر با وجود

ان تمام باتوں کے دنیا جس شدید مصیبت میں آج مبتلا ہے ایسی پہلے کبھی مبتلا نہ ہوئی تھی
اس کا سبب یہ ہے کہ اشیاء کی پیداوار بہت زیادہ اور ان کا نکاس بہت کم ہے۔
"لوگوں نے روپیے کو بہت زیادہ عزیز رکھنا شروع کردیا ہے جس کا یہ نتیجہ ہو رہا ہے کہ
غربا و مساکین کے روٹی کپڑے تک کا انتظام نہیں کیا جاتا۔ افریقہ میں کیپ ٹون سے لیکر
ممباسہ تک خشک سالی کی وجہ سے دیسی آبادیاں شدید اور دردناک افلاس میں مبتلا ہیں۔
مگر اسی ملک میں کمبرلی کی ہیرے کی کانیں تول میں آجکل اس قدر بڑھ رہی ہیں کہ پہلے
کبھی ایسی حالت نصیب نہیں ہوئی۔ جو کیفیت کہ ہیرے کی افریقہ میں ہے وہی کیفیت چائے
کی دوسرے ملک میں اور فواکہات کی تیسرے ملک میں ہے درانحالیکہ غربا سب جگہ یکساں
طور پر افلاس اور شدائد میں مبتلا ہیں۔
"جبتک کہ انسان قوانین فطرت کی مخالفت کرتا رہے گا موجودہ مصیبتوں کا خاتمہ نہ
ہوگا۔ یورپ کی جنگ عظیم مصائب دنیا کے متعلق جہل انسانی کا ایک نہایت مہیب مظاہرہ
تھی۔ اس جنگ کو ختم ہوئے پندرہ سال گذر چکے ہیں گر آج بھی ہر شخص اس کا شاہدہ کرسکتا
ہے کہ اب بھی ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا وحشیانہ برتاؤ کر رہا ہے کہ اس کے
مقابلہ میں جنگل کے رہنے والے وحشیوں کے قوانین اخلاق زیادہ مستحق عزت و احترام معلوم
ہوتے ہیں۔ بعض اقوام کا بھی باہمی برتاؤ آجکل بالکل وحشیانہ ہے۔ روس نے ایک جدید
اقتصادی تنظیم کی بنیاد ڈالکر تمام دنیا کی جڑوں کو ہلا ڈالا۔ جرمنی کو بالکل نہتا بنا کر اس کی
فوجی قوت کو نیست و نابود کردیا گیا ہے۔ مگر باوجود اس کے گذشتہ چودہ سال سے یورپ کی
متفقہ پالیسی یہی چلی آرہی ہے کہ جرمنی کو اور بھی زیادہ پامال کیا جائے۔ اور اب یہ ہو رہا
ہے کہ اس کے جواب میں اس ملک میں بھی ایک زبردست خونخوار قومی لہر دوڑ رہی ہے

جاپان نے بوجہ اپنے ملک کے گھٹے ہوئے ہونے کے، نیز بوجہ اس کے کہ جنگ عظیم نے تمام دنیا کو تھکا ڈالا ہے اور مضمحل کر رکھا ہے بہت بڑا نفع حاصل کیا، اس نے دنیائے جدید پر براہ راست حملہ کر دیا اور اقوام عالم کی متفقہ ناراضی کا جواب اپنی فوجی قوت کے مظاہرہ سے دیا ++ ++

"موجودہ مصائب کے دفعیہ کے لئے دو باتیں نہایت ضروری ہیں:۔

"ایک یہ کہ بجائے اس کے کہ صنعت و حرفت کو دولت کا خادم بنایا جائے، دولت کو صنعت و حرفت کا خادم بننا چاہئے۔

"دوسرے یہ کہ انسان کو انسان کے ساتھ عدل و رحمدلی و شفقت و محبت کا برتاؤ کرنا چاہئے اور اپنے خدا کے سامنے عجز و انکسار کے ساتھ وکبر اور تکبر چلنا چاہئے۔"

اقتباسات مندرجہ بالا نمونہ ہیں ان خیالات کا جو تم ہی میں کے چند لوگ، تمہارے ہی ملک کے رہنے والے، تمہاری ہی تعلیم و تربیت میں نشو نما پائے ہوئے، تمہاری اندرونی حالت سے پوری طرح باخبر، صحیح واقعات سے متاثر اور ان کے نتائج بد سے خائف ہو کر ظاہر کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ تم خود بھی اپنی کمزوریوں اور خرابیوں سے واقف ہوتے جاتے ہو تمہیں بھی اب نظر آنے لگا ہے کہ تمہارا تمدن تمہیں کس جانب لیجا رہا ہے۔ اپنی ناکامیوں کا تم بارہا تجربہ کر چکے ہو۔ لیگ آف دی نیشنز کی مجبوریوں اور بے بسیوں کا اپنی آنکھ سے مشاہدہ کر رہے ہو۔ ڈس آرمامینٹ کانفرنس کو نامشاد و نامراد جھکیاں لیتا اور دم توڑتا دیکھ رہے ہو۔ اور آنے والی مصیبتوں کے دفع کرنے کی تم اپنے میں کوئی قابل اعتماد قوت نہیں پاتے۔ باوجود ان تمام باتوں کے تم اب تک اس زبردست ہستی کی جانب مائل نہیں ہوتے جو حقیقتاً تم پر حکومت کر رہی ہے: جو تمہارے منصوبوں کو الٹ دیا کرتی ہے، جو تمہارے تخمینوں کو غلط ثابت کر دکھاتی ہے، اور جو تمہاری فرعونیت کے سر پہ ہتھوڑوں پہ ہتھوڑے برساتی چلی جاتی ہے۔

باوجود اس عقل و دانش کے جس کا تمہیں بڑا گھمنڈ ہے، تم کائنات پر نظر ڈالتے ہو مگر خالق کائنات

کی جانب تمہاری نظر نہیں جاتی، قانون قدرت کو مانتے ہو مگر قانون ساز کو نہیں مانتے، اپنے چاروں طرف افعال کا مشاہدہ کرتے ہو مگر فاعل کو نہیں دیکھتے، مجاز میں ڈوبے ہوئے ہو، حقیقت پر نظر نہیں جاتی، سایہ کے پیچھے دوڑتے ہو، اصل کی جانب رخ نہیں کرتے۔ آیات مندرجہ بالا میں اللہ کی نشانیوں کی تکذیب، اور اخلد الی الارض اور واتبع ہواہ سے اسی جانب اشارہ ہے۔

تمہاری یہ کوتاہ نظری تمہاری تمام کمزوریوں، تمام خرابیوں، تمام ناکامیوں، اور آئندہ آنے والی تمام تباہیوں کا باعث ہے۔ تمہاری تمام خرابیوں کی جڑ نفسانیت ہے۔ نفسانیت سے خودغرضی پیدا ہوتی ہے۔ خودغرضی سے جھگڑے بکھڑے ہوتے ہیں۔ جھگڑوں سے آپس میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ اور یہ پھوٹ آگے چل کر ایسی ایسی صورتیں اختیار کر لیتی ہے جیسی کہ ۱۹۱۴ء کی خونخوار اور تمدن سوز جنگ۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَا تَتَّبِعُ الْهَوٰى اَنْ تَعْدِلُوْا۔ (النساء - ۲۰)

"پس تم خواہش نفس کا اتباع نہ کرنا کہ اعتدال سے تجاوز نہ کر بیٹھو۔"

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ص ۲)

"خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرنا۔ وہ تم کو خدا کے راستے سے (جو کہ صحیح اور اصلی راستہ ہے) بھٹکا دیگی۔"

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ (الجاثیہ - ۳)

"کیا تم نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے اور اسی سبب اس کے باوجود اس کے علم رکھنے کے اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کی سماعت اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی بینائی پر پردہ ڈال دیا ہے۔ بھلا اللہ تعالیٰ کے (اس فعل کے) بعد کون اسے راہ راست پر لائے پس کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے۔"

اس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں کہ جو لوگ نفس کے غلام ہیں، جنھوں نے خواہش نفس کو اپنا

معبود بنا لیا، جو اپنے دل کا چاہا پورا کرنے کی کوشش میں رات دن منہمک رہتے ہیں گو اس میں انھیں کامیابی مطلق نصیب نہ ہو، راہ راست سے بہت دور ہیں اور جبتک وہ اپنی اس روش کو نہ بدلیں راہ راست پر آ بھی نہیں سکتے اُن کی علمی ترقیاں اون کی سائینٹفک ایجادات اُن کی بحری و بری فوجی قوتیں اُن کی حکمت عملی اور سیاسی تدبیریں، اُن کی لیگ اور کانفرنسیں غرضکہ اُنکی کوئی چیز ضلالت و گمراہی کی تباہی سے انہیں محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ اللہ کے کئے ہوئے کو کوئی رد نہیں کر سکتا جب اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں گمراہ کر دیا تو پھر کوئی چیز اُن کی ہدایت کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ ہدایت و ضلالت مثل زندگی اور موت کے حق تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں اسی نے زہر میں مار ڈالنے کی قوت رکھدی جس نے ہیڈ روسینک ایسڈ کھا لیا اُسے یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا کسی میں طاقت نہیں کہ اُسے بچا سکے۔ اسیطرح جس نے اپنے نفس کو اپنا معبود بنا لیا اسے اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا۔ اب کس میں یہ طاقت ہے کہ اسے راہ راست پر لا سکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ تمام گذشتہ قومیں نفس پرستی ہی کی بدولت تباہ ہوئیں۔ اسی نفس پرستی کی بدولت یورپ بھی بہت تیزی اور بہت سرعت کیساتھ تباہی کے گڑھے میں جا رہا ہے۔ جبتک وہ نفس پرستی سے توبہ نہ کرے اس کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ یہ حق تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے جسے کوئی بدل نہیں سکتا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

"اور تیرے پروردگار کا کلام صدق و عدل کے اعتبار سے کامل ہے، اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے"۔ (الانعام - ۱۴)

یورپ والو! کیا تم یہ کہتے ہو کہ ہم تو حب الوطنی اور قوم پرستی میں شہرۂ آفاق ہیں۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں ملک اور قوم کے لئے کرتے ہیں۔ ملک کے لئے خون بہاتے ہیں۔ قوم کے لیے سر کٹاتے ہیں۔ ہماری یہ قربانیاں نفسانیت اور خود غرضی پر کیوں کر محمول ہو سکتی ہیں؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ تمہاری ملک و قوم پرستی تمہاری نفسانیت کا اظہار اور ایک وسیع پیمانہ پر خود غرضی ہے اور اس کے سوائے کچھ بھی نہیں۔ تعلیم یافتہ اور ذرا سمجھدار دنیادار دل سے اسی نوع کی خود غرضی کا اظہار کرتا ہے۔ اگر کوئی

سمجھدار شخص جہاز پر سفر کر رہا ہے اور وہ جہاز کسی خطرہ میں آگیا ہے تو سمجھدار مسافر اپنی ذاتی سلامتی اسی میں دیکھیگا کہ پورے جہاز کو تباہی سے بچانے کی کوشش میں مصروف ہو جائے۔ جہاز اور جہاز والوں کو ہلاکت سے بچانے میں وہ شخص صرف اپنی سلامتی ڈھونڈ رہا ہے۔ اگر اس جہاز کے بچانے میں مسافروں سے لدے ہوئے دس دوسرے جہاز ڈوبتے ہیں تو ڈوبیں۔ اسے تو صرف اپنے جہاز کی سلامتی مقصود ہے۔ اس کی یہ خواہش خود غرضی سے مبرا کیونکر ہو سکتی ہے؟ یہ دوسری بات ہے کہ یہ خود غرضی کسی قدر عقلمندی پر مبنی ہے اور ان جاہلوں کی سی خود غرضی نہیں جو کسی خطرہ کو دیکھکر بجائے اس کے کہ سب ملکر اس خطرہ کے دفعیہ کی کوشش میں مصروف ہو جائیں نفسی نفسی پکارنے لگتے ہیں اور اپنے ذاتی اور شخصی نفع کی لالچ میں محض جہالت سے آپس ہی ایک دوسرے کے درپئے آزار ہو جاتے ہیں۔ بہر نوع عقلمندی پر مبنی ہو یا حماقت پر، اخلاقی اعتبار سے خود غرضی ہمیشہ خود غرضی ہی رہیگی اور ایک ہی نام سے پکاری جائے گی۔ بلکہ اغلب ہے کہ تعلیمیافتہ اور چالاک لوگوں کی خود غرضی دوسروں کے حق میں زیادہ خطرناک اور مضرت رسان ثابت ہو۔

اہل مغرب کی خود غرضی تعلیمیافتہ اور سمجھدار دنیا داروں کی سی خود غرضی ہے وہاں کے چھوٹے چھوٹے ملک کے رہنے والے اپنے چھوٹے سے ملک کو تھوڑا سا فائدہ پہنچانے کی لالچ میں کسی بڑے ملک کو یا بڑے ممالک کو بڑے سے بڑا نقصان پہونچا دیں تو وہ لوگ قوم پرستی کے مذہب کے تحت میں اپنی اس حرکات کو بالکل جائز سمجھیں گے۔ ہر قوم اپنی سرسبزی کے لئے دوسری قوموں کو ویران کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتی ہے۔ ایسی صورت میں دنیا میں امن و امان کے قیام کا یقین کیونکر ممکن ہے؟

یورپ سچے خدا کے سامنے سر نہیں جھکاتا مگر قوم پرستی کے اس جھگڑالو بت کے آگے سجدہ میں پڑا رہتا ہے۔ وہاں کے بعض سمجھدار لوگ اس بت کو توڑنا تو نہیں چاہتے مگر ہر قوم کے مختلف بتوں کی کانفرنس منعقد کر کے ایک بین الاقوامی مفاہمت اور باہمی سمجھوتہ پیدا کر لینا چاہتے ہیں

جس سے یورپ کے امن میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ جاتا رہے۔ مگر ہر قوم پر خود غرضی کا بھوت اس بُری طرح مسلط ہے کہ کوئی ممکن العمل سمجھوتہ قائم نہیں ہونے پاتا۔

یورپ کی دیکھا دیکھی بعض مشرقی ممالک میں بھی اس بت کی پرستش شروع ہو چلی ہے اور ان ممالک کے باشندوں نے بھی اپنے جدید استادوں کے فیضان صحبت اور فیضان تعلیم سے اپنے ملکی، سیاسی، معاشرتی، اور اقتصادی امور کو قوم پرستی کی ٹیڑھی عینک سے دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ ایران، افغانستان اور ہندوستان میں آجکل ملکی اور غیر ملکی کی جو بحثیں چھڑنی شروع ہوئی ہیں وہ اسی نجس ناپاک، مفسدانہ، خود غرضانہ، تنگ خیالی پر مبنی، اور اسلامی تعلیمات و نیز اسلامی روایات کے خلاف جذبہ کا نتیجہ ہے۔

اوپر تفصیل سے سمجھایا جا چکا ہے کہ ان تمام خرابیوں کی جڑ نفسانیت ہے۔ نفسانیت کا واحد موثر علاج للّٰہیت ہے للّٰہیت مذہب سے پیدا ہوتی ہے۔ مذاہب دو اقسام کے دنیا میں رائج ہیں (۱) مذہب حقّہ۔ اور (۲) مذاہب باطلہ۔ مذہب حقّہ ایک ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے۔ مذاہب باطلہ متعدد ہیں۔ جو مذاہب کہ اپنے ابتدائی زمانہ میں سچے تھے مگر بعد میں مسخ ہو گئے وہ بھی بلحاظ اپنی موجودہ صورتوں کے مذاہب باطلہ کی فہرست میں شامل ہیں۔ جو للّٰہیت کہ مذاہب باطلہ کی تعلیم سے پیدا ہوتی ہے ناقص ثابت ہوتی ہے بلکہ وہ للّٰہیت ہی نہیں ہوتی۔ وہ یا تو رہبانیت کی جانب لیجاتی ہے۔ یا مکروہات دنیا، مضرات جسمانی و روحانی، اور موانعات ترقی انسانی کے سیلاب کو روکنے کی کافی قوت نہیں رکھتی۔ جو للّٰہیت کہ سچے مذہب کی تعلیم کا نتیجہ ہے وہ دین اور دنیا دونوں کی فلاح کا باعث ہوتی ہے، روح اور جسم دونوں کو نفع پہونچاتی ہے، مبدا و معاد دونوں کے حقوق پوری طرح ادا کرتی ہے۔ یہی اس کی صداقت کی پہچان ہے۔

روح و جسم میں تعلق باہمی اتنا قوی ہے کہ عالم ناسوت میں دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں دونوں آپس میں ایک دوسرے سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ تندرست روح اس دنیا میں تندرست جسم

تا گئی ہے اور تندرست جسم ہمیشہ تندرست روح کا محتاج رہتا ہے۔ روح و جسم دونوں کے مجموعہ کا نام انسان ہے۔ اپنی ترقی کے لئے انسان ان دونوں اجزاء کی ترقی کا محتاج ہے اسی طرح دنیا اور آخرت میں بھی بہت قوی تعلق ہے ان دونوں میں سبب اور نتیجہ کی نسبت ہے اُس عالم کی زندگی نتیجہ ہے اس عالم کی زندگی کا۔ وہ مذہب ناقص ہے جو روح کو تو آراستہ کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر جسم کی طرف سے غافل ہے اُس عالم کی زندگی سنوارنے کا دعوی کرتا ہے مگر اس دنیا کی زندگی کو بالکل نظر انداز کئے ہوئے ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مذہب کو سیاسیات سے الگ رکھو، تمدن و معاشرت کو مذہب سے جدا رہنے دو، امور دنیوی میں مذہب کو دخیل نہ ہونے دو وہ مذہب حقہ کی حقیقت سے واقف نہیں۔ وہ لوگ مذاہب باطلہ کی کمزوریوں اور خرابیوں سے ڈرے ہوئے ہیں اور ان کا یہ قول مذاہب باطلہ ہی پر صادق آتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مذاہب باطلہ نہ صرف دنیا کے لئے بلکہ عقبیٰ کے لئے بھی سخت خطرناک اور مہلک ہیں۔ ان مذاہب باطلہ سے لوگوں کی نفرت حقیقتاً مذہب حقہ کی جیت ہے۔

افسوس اس امر کا ہے مذاہب ناقصہ سے بھڑکے ہوئے اور زخم خوردہ لوگوں نے بلا دیکھے بھالے، بلا سوچے سمجھے، اور بلا معقول تحقیقات کے مذہب حقہ کو بھی مذاہب باطلہ پر قیاس کر لیا اور اپنی اس غلطی کی بدولت انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے زیر اثر لوگوں کو اس نعمت سے محروم رکھا۔

ہمارے نزدیک اور اللہ کے نزدیک اور جملہ محققین اہل بصیرت کے نزدیک مذہب حقہ بس ایک ہی ہے اور ع

فاش میگویم و از گفتۂ خود دلشادم

کہ اس سچے مذہب کو اسلام کے متبرک نام سے موسوم کیا گیا ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

یورپ کے موجودہ اور آئندہ مصائب کا باعث اسلام سے انحراف ہے۔ یورپ اپنی سلامتی کیلئے

اور آنے والی تباہی سے بچنے کے لئے اسلام ہی کا محتاج ہے۔ یورپ ہی پر کیا موقوف ہے۔ ساری دنیا اسی مذہب حقہ کی پیاسی ہے اور عجیب بات ہے کہ پیاسی ہونے کے باوجود اپنی پیاس سے بے خبر ہے تشنگی کی تکلیف تکلیف محسوس ہو رہی ہے مگر اسکا پتہ ابھی تک نہیں چلا کہ یہ تکلیف کس تشنگی کا نتیجہ ہے اور تشنگی کس چیز کی ہے اور وہ چیز کیونکر اور کہاں میسر آسکتی ہے۔ اجداد پرستی، حجاب ملک وقومیت، عادات ورسم ورواج کی بندشیں، جہالت، تعصب، ضد، ہٹ دھرمی، اور نفسانیت کے اسی نوع کے دیگر کرشمے حجاب نہیں اٹھنے دیتے اور دنیا کو اپنی تشنگی بجھانے کا موقعہ نہیں دیتے۔ ایسی حالت میں یورپ والوں کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے متعلق اپنی لاعلمی کو دور کریں غلط فہمیوں کا ازالہ کریں، تعصب کو بالائے طاق رکھیں اور اس چشمہ الٰہی سے خود بھی سیراب ہوں اور محروم دنیا کو بھی سیراب ہونے دیں۔

متعصبین مغرب نے اسلام کو بہت بدنام کیا ہے۔ اسلام کے متعلق بہت کچھ غلط فہمیاں پھیلائی ہیں۔ مگر اسلام کے رخ زیبا پر خاک ڈالنے سے خاک نہیں پڑتی۔ اسلام کا چمکتا ہوا چہرہ ماند نہیں پڑتا۔ ان لوگوں کی ان حرکات سے اسلام کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ وہ لوگ خود ہی نقصان میں رہتے ہیں اور اپنے ماننے والوں کو نقصان میں رکھتے ہیں۔ یورپ بیچارہ ان ہی متعصبین کی غلط کاریوں کا شکار ہو رہا ہے۔ یورپ کی مصیبتوں اور تباہیوں کے ذمہ دار بڑی حد تک وہ متعصب پادری اور جاہل مصنفین بھی ہیں جو اسلام اور یورپ کے درمیان حجاب بنے ہوئے ہیں۔ ذرا انصاف سے دیکھو کہ اسلام کی چند باتوں پر نادانستہ طور پر اور بلا اعتراف یورپ نے عمل کیا اور بقدر اپنے عمل کے فائدہ اٹھایا۔ اسلام کے بیشتر اصولوں سے یورپ نے گریز کیا اور بقدر اس گریز کے وہ خمیازہ بھگت رہا ہے۔ اب اگر یورپ اپنے مستقبل کو درست کرنا چاہتا ہے اور جو آنے والی خرابیاں اسے خود کسی حد تک نظر آتی شروع ہو گئی ہیں، ان سے بچنے کا متمنی ہے تو اس کے لئے راستہ صاف ہے۔ اپنے بنائے ہوئے قوانین پر چلکر تو اس نے دیکھ لیا، اب ذرا خدا کے بنائے ہوئے قوانین پر بھی چلکر دیکھ لے۔ ضد، ہٹ دھرمی اور تعصب نے اب بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا تو جو روز بد آنے والا ہے اس سے اللہ تعالیٰ ہی اپنی پناہ میں رکھے۔ وما توفیقی الا باللہ، علیہ توکلت والیہ انیب۔

اسلامی قومیت

(۲)

عصبیت کے خلاف اسلام کا جہاد اس بیان سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کفر و شرک کی جہالت کے بعد اسلام کی دعوت حق کا اگر کوئی سب سے بڑا دشمن تھا تو وہ یہی نسل و وطن کا شیطان تھا، اور یہی وجہ تھی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۳ سالہ حیات نبویہ میں ضلالت کفر کے بعد سب سے زیادہ جس چیز کو مٹانے کے لئے جہاد کیا وہ یہی عصبیت جاہلیہ تھی۔ آپ احادیث و سیر کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ حضور سرور کائنات نے کس طرح خون اور خاک، رنگ اور زبان پستی اور بلندی کی تفریقوں کو مٹایا، انسان اور انسان کے درمیان غیر فطری امتیازات کی تمام سنگین دیواروں کو مسمار کیا، اور انسان ہونے کی حیثیت سے تمام بنی آدم کو یکساں قرار دیا۔ آنحضرت کی تعلیم یہ تھی کہ :-

لیس منا من مات علی العصبیة لیس منا من دعیٰ الی العصبیة لیس منا من قاتل علی العصبیة۔	جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

آپ فرماتے تھے :-

لیس لِاَحدٍ فضلٌ علیٰ احدٍ الا بدین وتقویٰ۔ الناس کلھم بنوا آدم و آدمُ مِن تراب	پرہیزگاری اور دین داری کے سوا اور کسی چیز کی بنا پر ایک شخص کو دوسرے شخص پر فضیلت نہیں ہے سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

نسل، وطن، زبان، اور رنگ کی تفریق کو آپ نے یہ کہہ کہہ کر مٹایا کہ :-

لا فضل لعربي علی عجمي ولا لعجمي علی عربي کلکم ابناء آدم (بخاری ومسلم)

نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے اور نہ عجمی کو عربی پر تم سب آدم کی اولاد ہو۔

لا فضل لعربي علی عجمي ولا لعجمي علی عربي ولا لابيض علی اسود ولا لاسود علی ابيض الا بالتقوی (زاد المعاد)

کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، اور کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر فضیلت نہیں ہے اگر فضیلت ہے تو وہ صرف پرہیزگاری کی بنا پر ہے۔

اسمعوا واطيعوا وان استعمل عليكم عبد حبشي كان راسه زبيبة (بخاری کتاب الاحکام)۔

سنو اور اطاعت کرو چاہے تمہارے اوپر کوئی حبشی غلام ہی امیر بنا دیا جائے جس کا سر کشمش جیسا ہو۔

فتح مکہ کے بعد جب تلوار کے زور نے قریش کی اکڑی ہوئی گردنوں کو جھکا دیا، تو حضور خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور اس میں پورے زور کے ساتھ یہ اعلان فرمایا:۔

الا كل مأثرة او دم او مال يدعى فهو تحت قدمي هاتين۔

خوب سن رکھو کہ فخر و ناز کا ہر سرمایہ، خون اور مال کا ہر دعوی آج میرے ان قدموں کے نیچے ہے۔

يا معشر قريش ان الله قد اذهب عنكم نخوة الجاهلية وتعظمها بالآباء

اے معشر قریش اللہ نے تمہاری جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا کی بزرگی کے ناز کو دور کر دیا۔

ايها الناس كلكم من آدم وآدم من تراب۔ لا فخر للانساب۔ لا فخر للعربي على العجمي ولا للعجمي على العربي۔ ان اكرمكم عند الله اتقكم۔

اے لوگو! تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ نسب کے لئے کوئی فخر نہیں ہے۔ عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر کوئی فخر نہیں ہے۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے۔ جو سب سے زیادہ پرہیزگار رہے۔

عبادت الٰہی کے بعد آپ اپنے خدا کے سامنے تین باتوں کی گواہی دیتے تھے پہلے اس بات کی

کہ "خدا کا کوئی شریک نہیں ہے" پھر اس بات کی کہ "محمد اللہ کا بندہ اور رسول ہے" پھر اس بات کی کہ "اللہ کے بندے سب بھائی بھائی ہیں" (ان العباد کلھم اخوۃ)۔

بندۂ حق بے نیاز از ہر مقام　　　　نے غلام اور انہ او کس را غلام

بندۂ حق مرد آزاد است وبس　　　　ملک و آئینش خدا داد است وبس

اسلامی قومیت کی بنیاد اس طرح اللہ اور اس کے رسول نے جاہلیت کی ان تمام محدود، مادی، حسی، وہمی بنیادوں کو جن پر دنیا میں مختلف قومیتوں کی عمارتیں قائم کی گئی تھیں ڈھا دیا۔ رنگ، نسل، وطن، زبان، معیشت، سیاست کی غیر عقلی تفریقوں کو جن کی بنا پر انسان نے اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے انسانیت کو تقسیم کر رکھا تھا، مٹا دیا، انسانیت کے مادے میں تمام انسانوں کو برابر اور ایک دوسرے کا ہم مرتبہ قرار دے دیا۔

اس تخریب کے ساتھ اس نے خالص عقلی بنیادوں پر ایک نئی قومیت تعمیر کی۔ اس قومیت کی بنا بھی امتیاز پر تھی۔ مگر مادی اور عرضی امتیاز نہیں بلکہ روحانی اور جوہری امتیاز۔ اس نے انسان کے سامنے ایک فطری صداقت پیش کی جس کا نام "اسلام" ہے۔ اس نے خدا کی بندگی و اطاعت، نفس کی طہارت و پاکیزگی، عمل کی نیکی اور پرہیزگاری کی طرف ساری نوع بشری کو دعوت دی۔ پھر کہہ دیا کہ جو اس دعوت کو قبول کرے وہ ایک قوم سے ہے، اور جو اس کو رد کر دے وہ دوسری قوم ہے۔ ایک قوم ایمان اور اسلام کی ہے اور اس کے سب افراد بھائی بھائی ہیں۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ اور ایک قوم کفر اور گمراہی کی ہے، اور اس کے تمام متبعین اپنے اختلافات کے باوجود ایک ملت ہیں۔ اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَاحِدَۃٌ۔

ان دونوں قوموں کے درمیان بنائے امتیاز نسل اور نسب نہیں، اعتقاد اور عمل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک باپ کے دو بیٹے اسلام اور کفر کی تفریق میں جدا جدا ہو جائیں، اور دو بالکل اجنبی آدمی اسلام میں متحد ہونے کی وجہ سے ایک قومیت میں شریک ہوں۔ وطن کا اختلاف بھی ان دونوں قوموں کے درمیان

وجہ امتیاز نہیں ہے۔ یہاں امتیاز حق اور باطل کی بنیاد پر ہے جس کا کوئی وطن نہیں۔ ممکن ہے کہ ایک شہر ایک محلہ، ایک گھر کے دو آدمیوں کی قومیتیں اسلام و کفر کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہو جائیں اور ایک چینی رشتہ اسلام میں مشترک ہونے کی وجہ سے ایک مراقشی کا قومی بھائی بن جائے۔

فطرت ما متنیر از مصطفیٰ است باز گو آخر مقام ما کجا است

رنگ کا اختلاف بھی یہاں قومی تفریق کا سبب نہیں ہے۔ یہاں اعتبار چہرے کے رنگ کا نہیں، اللہ کے رنگ کا ہے۔ اور وہی بہترین رنگ ہے صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۔ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے اعتبار سے ایک گورے اور ایک کالے کی ایک قوم ہو اور کفر کے اعتبار سے دو گوروں کی دو الگ قومیتیں ہوں۔

مرد حق از کس نگیرد رنگ و بو مرد حق از حق پذیرد رنگ و بو

زبان کا امتیاز بھی اسلام اور کفر میں وجہ اختلاف نہیں ہے۔ یہاں منہ کی زبان نہیں دل کی زبان کا اعتبار ہے جو ساری دنیا میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اس کے اعتبار سے عربی اور افریقی کی ایک زبان ہو سکتی ہے، اور دو عربوں کی زبانیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ معاشی اور سیاسی نظاموں کا اختلاف بھی اسلام اور کفر کے اختلاف میں بے اصل ہے۔ یہاں جھگڑا دولتِ زر کا نہیں دولتِ ایمان کا ہے، انسانی سلطنت کا نہیں خدا کی بادشاہت کا ہے۔ جو لوگ حکومت آلہی کے وفادار ہیں، اور جو خدا کے ہاتھ اپنی جانیں فروخت کر چکے ہیں وہ سب ایک قوم ہیں خواہ ہندوستان میں ہوں یا ترکستان میں۔ اور جو خدا کی حکومت سے باغی ہیں اور شیطان سے جان و مال کا سودا کر چکے ہیں وہ ایک دوسری قوم ہیں ہم کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ وہ کس سلطنت کی رعایا ہیں اور کس معاشی نظام سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس طرح اسلام نے قومیت کا جو دائرہ کھینچا ہے وہ کوئی حسی اور مادی دائرہ نہیں بلکہ ایک خالص عقلی دائرہ ہے۔ ایک گھر کے دو آدمی اس دائرے سے جدا ہو سکتے ہیں اور مشرق و مغرب کا بعد رکھنے والے

دو آدمی اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔

سرِ عشق از عالمِ ارحام نیست — اوز سام و حام و روم و شام نیست
کوکب بے شرق و غرب و بے غروب — در مدارش نے شمال و نے جنوب

اس دائرہ کا محیط ایک کلمہ ہے لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ۔ اسی کلمہ پر دوستی بھی ہے اور اسی پر دشمنی بھی۔ اسی کا اقرار جمع کرتا ہے اور اسی کا انکار جدا کر دیتا ہے۔ جن کو اس نے جدا کر دیا ہے ان کو نہ خون کا رشتہ جمع کر سکتا ہے، نہ خاک کا، نہ زبان کا، نہ رنگ کا، نہ روٹی کا، نہ حکومت کا۔ اور جن کو اس نے جمع کر دیا ہے انہیں کوئی چیز جدا نہیں کر سکتی۔ کسی دریا، کسی پہاڑ، کسی سمندر، کسی زبان کسی نسل، کسی رنگ، اور کسی زر و زمین کے قضیہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اسلام کے دائرے میں امتیازی خطوط کھینچ کر مسلمان اور مسلمان کے درمیان فرق کرے۔ ہر مسلمان خواہ وہ چین کا باشندہ ہو یا مراقش کا، کالا ہو یا گورا، ہندی بولتا ہو یا عربی، سامی ہو یا آرین، ایک حکومت کی رعیت ہو یا دوسری حکومت کی، مسلمان قوم کا فرد ہے، اسلامی سوسائٹی کا رکن ہے، اسلامی اسٹیٹ کا شہری ہے، اسلامی فوج کا سپاہی ہے، اسلامی قانون کی حفاظت کا مستحق ہے۔ شریعت اسلامیہ میں کوئی ایک دفعہ بھی ایسی نہیں ہے جو عبادات، معاملات، معاشرت، سیاست، معیشت، غرض زندگی کے کسی شعبہ میں جنسیت یا زبان یا وطنیت کے لحاظ سے اس کو دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں کم تر یا بیش تر حقوق دیتی ہو،

اسلام کا طریق جمع و تفریق | یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اسلام نے تمام انسانی اور مادی رشتوں کو قطع کر دیا ہے۔ ہرگز نہیں! اس نے مسلمانوں کو صلۂ رحمی کا حکم دیا ہے قطع رحم سے منع کیا ہے، ماں باپ کی اطاعت و فرمانبرداری کی تاکید کی ہے۔ خون کے رشتوں میں وراثت جاری کی ہے۔ خیرات و صدقات اور بذل و انفاق میں ذوی القربیٰ کو غیر ذوی القربیٰ پر ترجیح دی ہے۔ اپنے اہل و عیال، اپنے گھر بار، اور اپنے ملک کو دشمنوں سے بچانے کا حکم دیا ہے۔ ظالم کے مقابلہ میں لڑنے کا حکم دیا ہے اور ایسی لڑائی میں

جان دینے والے کو شہید قرار دیا ہے۔ زندگی کے تمام معاملات میں بلا امتیاز مذہب ہر انسان کے ساتھ ہمدردی، حسن سلوک، اور محبت سے پیش آنے کی تعلیم دی ہے۔ اس کے کسی حکم کو یہ معنے نہیں پہنائے جا سکتے کہ وہ ملک و وطن کی خدمت و حفاظت سے روکتا ہے، یا غیر مسلم ہمسایہ کے ساتھ صلح و سالمت کرنے سے باز رکھتا ہے۔[1]

یہ سب کچھ ان مادی رشتوں کی جائز اور فطری مراعات ہے۔ مگر جس چیز نے قومیت کے معاملہ میں اسلام اور غیر اسلام کے اصول میں فرق کر دیا ہے، وہ یہ ہے کہ دوسروں نے انہی رشتوں پر جداگانہ قومیتیں بنائی ہیں۔ اور اسلام نے ان کو بنائے قومیت قرار نہیں دیا۔ وہ ایمان کے تعلق کو ان سب تعلقات پر ترجیح دیتا ہے اور وقت پڑے تو ان میں سے ہر ایک کو اس پر قربان کر دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے :-

قَدْ كَانَ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ	تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں یہ قابل تقلید
وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ	نمونہ تھا کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہدیا کہ ہمارا تم سے
مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۔	اور تمہارے معبودوں سے جنھیں تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو، کوئی تعلق

[1] یہاں اس امر کی توضیح ضروری ہے کہ غیر مسلم قوموں کے ساتھ مسلمان قوم کے تعلقات کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت تو یہ ہے کہ انسان ہونے میں ہم اور وہ یکساں ہیں اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ اسلام اور کفر کے اختلاف نے ہمیں ان سے جدا کر دیا ہے۔ پہلی حیثیت سے ہم ان کے ساتھ ہمدردی، فیاضی، رواداری اور شرافت کا ہر وہ سلوک کریں گے جو انسانیت کا مقتضیٰ ہے اور اگر وہ دشمن اسلام نہ ہوں تو ان سے دوستی، مصالحت، مسالمت بھی کریں گے اور مشترک مقاصد کیلئے تعاون میں دریغ نہ کریں گے لیکن کسی طرح کا مادی اور دنیوی اشتراک ہم کو اور ان کو اس طور سے جمع نہیں کر سکتا کہ ہم اور وہ مل کر ایک قوم بن جائیں، اور اسلامی قومیت کو چھوڑ کر کوئی مشترک ہندی یا چینی یا مصری قومیت قبول کر لیں۔ کیونکہ ہماری دوسری حیثیت اس قسم کے اجتماع میں مانع ہے اور اسلام و کفر کا مل کر ایک ملت بن جانا قطعاً غیر ممکن ہے۔

كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ (۶۰ : ۱)	نہیں ہے ہم نے تم کو چھوڑ دیا ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور دشمنی ہو گئی تاوقتیکہ تم ایک خدا پر ایمان لاؤ

وہ کہتا ہے کہ :۔

لَا تَتَّخِذُوا اٰبَاءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۹ : ۳)	اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی دوست اور محبوب نہ رکھو اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو محبوب رکھیں تم میں سے جو کوئی ان کو محبوب رکھے گا وہ ظالموں میں شمار ہوگا۔

اور :۔

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ (۶۴ : ۲)	تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تمہارے (بحیثیت مسلمان ہونے کے) دشمن ہیں ان سے حذر کرو۔

وہ کہتا ہے کہ اگر تمہارے دین اور تمہارے وطن میں دشمنی ہو جائے تو دین کی خاطر وطن کو چھوڑ کر نکل جاؤ جو شخص دین کی محبت پر وطن کی محبت کو قربان کر کے ہجرت نہ کرے وہ منافق ہے۔ اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ اَوْلِيَاءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۴ : ۱۲)

اس طرح ایک طرف تو اسلام اور کفر کے اختلاف سے خون کے قریب ترین رشتے کٹ جاتے ہیں۔ ماں، باپ، بھائی، بیٹے صرف اس لئے جدا ہو جاتے ہیں کہ وہ اسلام کے مخالف ہیں۔ قوم کو اس لئے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ خدا سے دشمنی رکھتی ہے۔ وطن کو اس لئے خیرباد کہا جاتا ہے کہ وہاں اسلام اور کفر میں عداوت ہے۔ گویا اسلام دنیا کی ہر چیز پر مقدم ہے۔ ہر چیز اسلام پر قربان کی جا سکتی ہے۔ اور اسلام کسی چیز پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ اب دوسری طرف دیکھیے۔ یہی اسلام کا تعلق ہے جو

ایسے لوگوں کو ملا کر بھائی بھائی بنا دیتا ہے جن کے درمیان نہ خون کا رشتہ ہے، نہ وطن کا نہ زبان کا نہ رنگ کا۔ تمام مسلمانوں کو خطاب کر کے کہا جاتا ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَّكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (۳ : ۱۱)

تم سب ملکر اللہ کی رسی کو مضبوط تھامے رہو اور آپس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔ اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت (اسلام کی بدولت) بھائی بھائی بن گئے۔ تم (آپس کی عصبیتوں کی وجہ سے) آگ سے بھرے ہوئے گڑھے کے سرے پر تھے۔ اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔

تمام غیر مسلموں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ :—

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ (۹ : ۲)

اگر وہ کفر سے توبہ کریں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔

اور مسلمانوں کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ :—

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (۴۸ : ۴)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ لوگ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد (صلعم) اللہ کا بندہ اور رسول ہے۔ نیز وہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ پھیریں، ہمارا ذبیحہ کھائیں اور ہماری طرح نماز پڑھیں جونہی کہ انہوں نے ایسا کیا ہم پر ان کے خون اور ان کے مال حرام ہو گئے الا یہ کہ حق اور انصاف کی خاطر

ان کو حلال کیا جائے۔ اس کے بعد ان کے وہی حقوق ہیں جو سب مسلمانوں کے ہیں اور ان پر وہی واجبات ہیں جو سب مسلمانوں پر ہیں"۔ (ابو داؤد۔ کتاب الجہاد)۔

پھر یہی نہیں کہ حقوق اور فرائض میں مسلمان برابر ہیں، اور ان میں کسی فرق و امتیاز کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد نبوی ہے کہ:۔

المسلم للمسلم کالبنیان یشد بعضه بعضاً	مسلمان کے ساتھ مسلمان کا تعلق ایسا ہے جیسے ایک دیوار کے اجزا جن کو ایک دوسرے سے پیوستہ کر دیا جاتا ہے۔

اور:۔

مثل المومنین فی توادھم وتراحمھم وَتعاطفھم کمثل الجسد الواحد اذا اشتکی منه عضو تداعیٰ له سائر الجسد بالسھر والحمیٰ۔	آپس کی محبت اور رحمت و مہربانی میں مسلمانوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جسم کہ اگر اس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم اس کے لئے بے خواب بے آرام ہو جاتا ہے۔

ملت اسلام کے اس جسم نامی کو رسول اللہ نے "جماعت" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کے متعلق آپ کا فرمان ہے۔

ید الله علی الجماعة ومن شذ شذ فی النار۔	جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ جو اس سے بچھڑا وہ آگ میں گیا۔

اور:۔

مَن فارق الجماعة شبراً خلع ربقة الاسلام من عنقه	جو ایک بالشت بھر بھی جماعت سے جدا ہوا اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکا۔

اسی پر بس نہیں بلکہ یہاں تک فرمایا کہ:۔

من اراد ان یفرق جماعتکم فاقتلوہ — جو تمہاری جماعت میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرے اس کو قتل کر دو۔

اور:-

من اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنًا من کان (مسلم۔ کتاب الامارہ) — جو کوئی اس امت کے بندھے ہوئے رشتہ کو پارہ پارہ کرنے کا ارادہ کرے، اس کی تلوار سے خبر لو خواہ وہ کوئی ہو۔

اسلامی قومیت کی تعمیر کس طرح ہوئی؟ اس جماعت میں جس کی شیرازہ بندی اسلام کے تعلق کی بنا پر کی گئی تھی خون اور خاک، رنگ اور زبان کی کوئی تمیز نہ تھی۔ اس میں سلمان فارسیؓ تھے جن سے ان کا نسب پوچھا جاتا تو فرماتے کہ "سلمان بن اسلام"۔ حضرت علیؓ ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ سلمان منا اھل البیت۔ "سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں"۔ اس میں باذان بن ساسان اور ان کے بیٹے شہر بن باذان تھے جن کا نسب بہرام گور سے ملتا تھا۔ رسول اکرمؐ نے حضرت باذان کو یمن کا اور ان کے صاحبزادے کو صنعا کا والی مقرر فرمایا تھا۔ اس جماعت میں بلالؓ حبشی تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ فرمایا کرتے کہ بلالؓ سیدنا و مولیٰ سیدنا "بلال ہمارے آقا کا غلام اور ہمارا آقا ہے"۔ اس جماعت میں صہیب رومی تھے جنہیں حضرت عمرؓ نے اپنی جگہ نماز میں امامت کے لئے کھڑا کیا۔ اس میں حضرت ابو حذیفہ کے غلام سالم تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو میں خلافت کے لئے انہی کو نامزد کرتا۔ اس میں زید بن حارثہ ایک غلام تھے جن کے ساتھ رسول اللہ صلعم نے خود اپنی پھوپھی کی بیٹی ام المومنین حضرت زینب کو بیاہ دیا تھا۔ ان میں حضرت زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ تھے جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے لشکر کا سردار بنایا تھا جس میں ابوبکر صدیق، عمر فاروق، ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ شریک تھے۔ انہی اسامہ کے متعلق

حضرت عمرؓ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ "اسامہ کا باپ تیرے باپ سے افضل تھا اور اسامہ خود تجھ سے افضل ہے"

مہاجرین کا اُسوہ اس جماعت نے اسلام کے تبر سے عصبیت کے ان تمام بتوں کو توڑا تھا جو نسل اور وطن رنگ اور زبان وغیرہ کے نام سے موسوم ہیں۔ اور جن کی پرستش قدیم جاہلیت سے جدید جاہلیت کے زمانہ تک دنیا میں ہو رہی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے وطن مکہ کو چھوڑا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کے یہ معنی نہ تھے کہ آپ کو اور مہاجرین کو اپنے وطن سے وہ فطری محبت نہ تھی جو انسان کو ہوا کرتی ہے مکہ کو چھوڑتے وقت آپ نے فرمایا تھا کہ "اے مکہ! تو مجھ کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے، مگر کیا کروں کہ تیرے باشندے مجھ کو یہاں رہنے نہیں دیتے" حضرت بلال جب مدینہ جاکر بیمار ہوئے تو مکہ کی ایک ایک چیز کو یاد کرتے تھے۔ ان کی زبان سے نکلے ہوئے یہ حسرت بھرے اشعار آج تک مشہور ہیں۔

الا لیت شعری هل ابیتن لیلة — بفخ وحولی اذخر وجلیل

وهل اردن یوما میاه مجنة — وهل تبدوالی شامة وطفیل

مگر اس کے باوجود حب وطنؒ نے ان بزرگوں کو اسلام کی خاطر ہجرت کرنے سے باز نہ رکھا۔

انصار کا طرزِ عمل دوسری طرف اہل مدینہ نے رسول اکرمؐ اور مہاجرین کو سر آنکھوں پر بٹھایا اور اپنے جان و مال خدمت اقدس میں پیش کر دیئے اسی بنا پر حضرت عایشہ فرماتی ہیں کہ "مدینہ قرآن سے فتح ہوا" آپ نے انصار اور مہاجرین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا تو یہ ایسے بھائی ...... بھائی بنے کہ مدتوں انکو ایک دوسرے کی میراث ملتی رہی حتی کہ اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرما کر اس توارث

ؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بہتان گھڑا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا حب الوطن من الایمان۔ حالانکہ ایسی کوئی صحیح حدیث آپ سے ماثور نہیں ہے۔

کو بند کیا۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ۔ انصار نے اپنے کھیت اور باغ آدھے آدھے تقسیم کر کے اپنے مہاجر بھائیوں کو دیدیے۔ اور جب بنی نضیر کی زمینیں فتح ہوئیں تو رسول اللہ سے عرض کیا کہ یہ زمینیں بھی ہمارے مہاجر بھائیوں کو دیدیجئے۔ یہی ایثار تھا جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری کے درمیان مواخاۃ کرائی گئی تو حضرت سعد اپنے دینی بھائی کو آدھا مال دینے، اور اپنی بیویوں میں سے ایک کو طلاق دیکر بیاہ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ عہد رسالت کے بعد جب مہاجرین پیہم منصب خلافت پر سرفراز ہوئے تو کسی مدنی نے یہ نہ کہا کہ تم متوطن مسافروں کو ہمارے ملک پر حکومت کرنے کا کیا حق ہے؟ رسول اکرم اور حضرت عمر نے مدینے کے نواحی میں مہاجرین کو جاگیریں دیں اور کسی انصاری نے اس پر زبان تک نہ ہلائی۔

رشتۂ دین یادی علائق کی قربانی پھر جنگ بدر اور جنگ احد میں مہاجرین مکہ دین کی خاطر خود اپنے رشتہ داروں سے لڑے۔ حضرت ابو بکر نے اپنے بیٹے عبد الرحمٰن پر تلوار اٹھائی۔ حضرت حذیفہ نے اپنے باپ حذیفہ پر حملہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں کے خون سے ہاتھ رنگے۔ خود رسول اکرمؐ کے چچا عباسؓ، چچا زاد بھائی عقیلؓ اور داماد ابو العاصؓ بدر میں گرفتار ہوئے اور عام قیدیوں کی طرح رکھے گئے حضرت عمر اس پر آمادہ تھے کہ سب قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور ہر شخص خود اپنے عزیز کو قتل کرے۔

فتح مکہ کے موقع پر رسول اکرم غیر قبیلہ اور غیر علاقہ والوں کو لے کر خود اپنے قبیلہ اور اپنے وطن پر حملہ آور ہوئے۔ غیروں کے ہاتھ سے اپنوں کی گردنوں پر تلوار چلوائی۔ عرب کے لئے یہ بالکل نئی بات تھی کہ کوئی شخص خود اپنے قبیلہ اور اپنے وطن پر غیر قبیلہ والوں کو چڑھا لائے اور وہ بھی کسی انتقام یا زر و زمین کے قضیہ کی بنا پر نہیں بلکہ محض ایک کلمۂ حق کی خاطر۔ جب قریش کے اوباش مارے جانے لگے تو ابو سفیان نے آکر عرض کیا کہ "یا رسولؐ اللہ قریش کے نونہال کٹ رہے ہیں۔ آج کے بعد قریش کا

نام ونشان نہ رہے گا" رحمۃ اللعالمین نے یہ سن کر اہل مکہ کو امان دیدی۔ انصار سمجھے کہ رسول اللہ کا دل اپنی قوم کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا "حضور آخر آدمی ہی تو ہیں۔ اپنے خاندان والوں کا پاس کر ہی گئے"۔ رسول اللہ کو ان باتوں کی خبر پہنچی تو انصار کو جمع کیا اور فرمایا "مجھے خاندان والوں کی محبت نے ہرگز نہیں کھینچا۔ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اللہ کے لئے تمہارے پاس ہجرت کر کے جا چکا ہوں اب میرا جینا تمہارے ساتھ ہے اور مرنا تمہارے ساتھ"۔ جو کچھ حضور نے فرمایا تھا اسے نقطہ بہ لفظ سچا کر دکھایا۔ جو کچھ مکہ معظمہ کے فتح ہو جانے کے بعد وہ علت باقی نہ رہی تھی جس کی بنا پر حضور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تھے، مگر آپ نے مکہ میں قیام نہ فرمایا۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ رسول خدا نے مکہ پر کسی وطنی یا انتقامی جذبے کے تحت حملہ نہ کیا تھا، بلکہ محض اعلاء کلمۃ الحق مقصود تھا۔

اس کے بعد جب ہوازن اور ثقیف کے اموال فتح ہوئے تو پھر وہی غلط فہمی پیدا ہوئی۔ حضور نے غنیمت میں سے قریش کے نومسلموں کو زیادہ حصہ دیا۔ انصار کے بعض نوجوان سمجھے یہ قومی پاس داری کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے بگڑ کر کہا کہ "خدا رسول اللہ کو معاف کرے۔ وہ قریش کو دیتے ہیں اور ہم کو چھوڑتے ہیں۔ حالانکہ اب تک ہماری تلواروں سے ان کے خون ٹپک رہے ہیں"۔ اس پر رسول اکرم نے ان کو پھر جمع کیا اور فرمایا کہ "میں ان لوگوں کو اس لئے زیادہ دے رہا ہوں کہ یہ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ محض ان کی تالیف قلب مقصود ہے۔ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ یہ مال لے جائیں اور تم رسول کو لیجاؤ"؟

غزوۂ بنی المصطلق میں ایک غفاری اور ایک عوفی میں جھگڑا ہو گیا۔ غفاری نے عوفی کو تھپڑ مارا۔ بنی عوف انصار کے حلیف تھے۔ عوفی نے انصار کو مدد کے لئے پکارا۔ بنی غفار مہاجرین کے حلیف تھے۔ غفاری نے مہاجرین کو آواز دی۔ قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں۔ رسول اللہ کو خبر ہوئی تو آپ نے فریقین کو بلا کر فرمایا کہ "یہ کیا جاہلیت کی پکار تھی جو تمہاری زبانوں سے نکل رہی تھی

(مالکم ولدعوۃ الجاھلیۃ) انہوں نے کہا کہ ایک مہاجر نے انصاری کو مارا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "تم اس جاہلیت کی پکار کو چھوڑ دو۔ یہ بڑی گھناونی چیز ہے"۔ (دعوھا فانھا منتنۃ)۔

اس غزوہ میں مدینہ کا مشہور قوم پرست منافق عبداللہ بن اُبی بھی شریک تھا اس نے جو سنا کہ مہاجرین کے حلیف نے انصار کے حلیف کو مارا ہے تو کہا کہ "یہ ہمارے ملک میں آکر پھل پھول گئے ہیں۔ اور اب ہمارے ہی سامنے سر اٹھاتے ہیں۔ ان کی مثل تو ایسی ہے کہ کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرتا کہ وہ تجھی کو پھاڑ کھائے۔ بخدا مدینہ واپس پہنچ کر جو ہم میں سے عزت والا ہوگا وہ ذلت والے کو نکال باہر کرے گا" پھر اس نے انصار سے کہا کہ "یہ تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔ تم نے ان لوگوں کو اپنے ملک میں جگہ دی۔ اور اپنے اموال ان پر بانٹ دیے خدا کی قسم آج تم ان سے ہاتھ کھینچ لو تو یہ ہوا کھاتے نظر آئیں گے"۔ یہ باتیں رسول اللہ تک پہنچیں تو آپ نے عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ کو بلا کر فرمایا کہ تمہارا باپ یہ یہ کہتا ہے۔ وہ اپنے باپ سے غایت درجہ محبت رکھتے تھے۔ اور ان کو فخر تھا کہ خزرج میں کوئی بیٹا اپنے باپ سے اتنی محبت نہیں کرتا مگر یہ قصہ سن کر انہوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ اگر حکم ہو تو میں اس کا سر کاٹ لاؤں"۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر جب جنگ سے واپس ہوئے تو مدینہ پہنچ کر حضرت عبداللہ اپنے باپ کے آگے تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ "تو مدینہ میں گھس نہیں سکتا جب تک کہ رسول اللہ اجازت نہ دیں۔ تو کہتا ہے کہ ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلت والے کو مدینے سے نکال دے گا۔ تو اب تجھے معلوم ہو کہ عزت صرف اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے"۔ اس پر ابن اُبی چیخ اٹھا کہ "لوسنو اے اہل خزرج۔ اب میرا بیٹا مجھ کو گھر میں گھسنے نہیں دیتا"۔ لوگوں نے آکر حضرت عبداللہ کو سمجھایا۔ مگر انہوں نے کہا کہ "رسول اللہ کی اجازت کے بغیر یہ مدینہ کے سایہ میں بھی پناہ نہیں لے سکتا"۔ آخر کار لوگ رسول اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ "جا کر عبداللہ سے

کہو کہ اپنے باپ کو گھر میں جانے دے"۔ جب عبداللہ نے یہ فرمان مبارک سنا تو تلوار رکھدی اور کہا کہ "ان کا حکم ہے تو اب یہ جا سکتا ہے"[1]

بنو قینقاع پر جب حملہ کیا گیا تو حضرت عبادہؓ بن الصامت کو ان کے معاملہ میں حکم بنایا گیا اور انہوں نے فیصلہ دیا کہ اس پورے قبیلہ کو مدینے سے جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ لوگ حضرت عبادہؓ کے قبیلۂ خزرج کے حلیف تھے مگر انہوں نے اس تعلق کا ذرہ برابر خیال نہ کیا۔ اسی طرح بنو قریظہ کے معاملہ میں اوس کے سردار سعدؓ بن معاذ کو حکم بنایا گیا۔ اور ان کا فیصلہ یہ تھا کہ بنو قریظہ کے تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو سبایا اور ان کے اموال کو غنیمت قرار دیا جائے۔ اس معاملہ میں حضرت سعد نے ان حلیفانہ تعلقات کا ذرا خیال نہ کیا جو اوس اور بنو قریظہ کے درمیان مدتوں سے قائم تھے۔ حالانکہ عرب میں حلف کی جو اہمیت تھی وہ سب کو معلوم ہے۔

جامعہ اسلامیہ کی اصلی روح ان شواہد سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی قومیت کی تعمیر میں نسل و وطن اور زبان و رنگ کا قطعاً کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس عمارت کو جس معمار نے بنایا ہے اس کا تخیل ساری دنیا سے نرالا تھا اس نے تمام عالم انسانی کے مواد خام پر نظر ڈالی۔ جہاں جہاں سے اس کو اچھا اور مضبوط مسالہ ملا اس کو چھانٹ لیا۔ ایمان و عمل صالح کے پختہ چونے سے ان متفرق اجزا کو پیوستہ کر دیا۔ اور ایک عالمگیر قومیت کا قصر تعمیر کیا جو سارے کرۂ ارضی پر چھایا ہوا ہے۔ اس عظیم الشان عمارت کا قیام و دوام منحصر ہے اس پر کہ اس کے تمام مختلف الاصل مختلف الشکل، مختلف المقام اجزا اپنی جدا جدا اصلیتوں کو بھول کر صرف ایک اصل کو یاد رکھیں، اپنے جدا جدا رنگ چھوڑ کر ایک رنگ میں رنگ جائیں۔ اپنے الگ مقاموں سے قطع نظر کر کے ایک مخرج صدق سے نکلیں اور ایک مدخل صدق میں داخل ہو جائیں۔ یہی وحدت ملی اس بنیان مرصوص کی جان ہے

---

[1] اس واقعہ کی پوری تفصیل ابن جریر کی تفسیر (جلد ۲۸ صفحہ ۲۶ تا ۲۷) میں ملاحظہ فرمائیے۔

اگر یہ وحدت ٹوٹ جائے۔ اگر اجزائے ملت میں اپنی اصلوں اور نسلوں کے جدا ہونے اپنے وطن اور مقام کے مختلف ہونے، اپنے رنگ وشکل کے تنوع ہونے، اپنی اغراض دنیوی کے متضاد ہونے کا احساس پیدا ہوجائے تو اس عمارت کی دیواریں پھٹ جائیں گی، اس کی بنیادیں ہل جائیں گی اور اس کے تمام اجزار پارہ پارہ ہوجائیں گے۔ جس طرح ایک سلطنت میں کئی سلطنتیں نہیں بن سکتیں اسی طرح ایک قومیت میں کئی قومیتیں بھی نہیں بن سکتیں۔ اسلامی قومیت کے ساتھ نسلی، وطنی، لسانی، لونی قومیتوں کا جمع ہونا قطعاً محال ہے۔ ان دونوں قسم کی قومیتوں میں سے ایک ہی قائم رہ سکتی ہے۔ اس لئے کہ:۔

جو اس کا پیرہن ہے مذہب کا وہ کفن ہے

پس جو اسلامی قومیت میں رہنا چاہتا ہے اسے تمام قومیتوں کے احساس کو باطل، اور سارے خاک وخون کے رشتوں کو قطع کرنا پڑیگا۔ اور جو اِن رشتوں کو باقی رکھنا چاہتا ہو اس کے متعلق ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ وہ اسلامی قومیت سے نکل گیا۔ اُس نے اسلامی عصبیت کو چھوڑ دیا، جاہلی عصبیت کا دامن تھام لیا۔ اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکا، جاہلیت کے پھندے کو اسلام کے رشتہ پر ترجیح دی۔ وہ اسلام سے چھوٹا اور اسلام اس سے۔

رسول اللہ کی آخری وصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آخری زمانہ میں سب سے زیادہ خطرہ جس چیز کا تھا وہ یہی تھا کہ کہیں مسلمانوں میں جاہلی عصبیتیں پیدا نہ ہوجائیں اور ان کی بدولت اسلام کا قصرِ ملت پارہ پارہ نہ ہوجائے۔ اسی لئے حضور بار بار فرمایا کرتے تھے کہ۔

لاترجعون بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض (بخاری کتاب الفتن)　　کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے بعد تم پھر کفر کی طرف پلٹ کے آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

اپنی زندگی کے آخری حج، حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو عرفات کے خطبہ میں

عام مسلمانوں کو خطاب کرکے فرمایا:۔

"سن رکھو کہ امور جاہلیت میں سے ہر چیز آج میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے
عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے تم سب آدم کی اولاد سے ہو اور
آدم مٹی سے تھے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان بھائی بھائی ہیں
جاہلیت کے سب خون باطل کر دیے گئے۔ اب تمہارے خون اور تمہاری عزتیں
اور تمہارے اموال ایک دوسرے کے لئے ویسے ہی حرام ہیں جیسے آج حج کا دن
تمہارے اس مہینہ، تمہارے اس شہر میں حرام ہے"

پھر منیٰ میں تشریف لے گئے تو اس سے بھی زیادہ زور کے ساتھ اس تقریر کو دھرایا اور اس میں
یہ اضافہ کیا:۔

"دیکھو! میرے بعد پھر گمراہی کی طرف پلٹ کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ
مارنے لگنا عنقریب تم اپنے رب سے ملنے والے ہو۔ وہاں تمہارے اعمال کی تم سے
باز پرس ہوگی۔

" سنو! اگر کوئی نکٹا حبشی بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے اور وہ تم کو کتاب اللہ کے
مطابق چلائے تو اس کی بات ماننا اور اطاعت کرنا۔

یہ ارشاد فرماکر پوچھا کہ کیا میں نے تم کو یہ پیغام پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا
"اے خدا تو گواہ رہیو" اور لوگوں سے کہا کہ "جو موجود ہے وہ اس پیغام کو ان لوگوں تک پہنچا دے جو موجود
نہیں ہیں"

حج سے واپس ہوکر شہدائے احد کے مقابر پر تشریف لے گئے اور پھر مسلمانوں کو خطاب
کرکے فرمایا:۔

"مجھے اس کا خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کروگے۔ مگر ڈرتا اس سے ہوں کہ کہیں تم دنیا میں مبتلا نہ ہوجاؤ اور آپس میں لڑنے نہ لگو۔ اگر ایسا کروگے تو ہلاک ہوجاؤگے جس طرح پہلی امتیں ہلاک ہوچکی ہیں۔

اسلام کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ فتنہ جس کے ظاہر ہونے کا سید الکونین کو اندیشہ تھا حقیقت میں نہایت ہی مہلک ثابت ہوا، جیسا آپ نے فرمایا تھا۔ قرن اول سے آج تک اسلام اور مسلمانوں پر جو تباہی بھی نازل ہوئی ہے اسی کی بدولت ہوئی ہے۔ وصال نبوی کے چند ہی برس بعد ہاشمی اقتدار کے خلاف اموی عصبیت کا فتنہ اٹھا اور اس نے اسلام کے اصلی نظام سیاست کو ہمیشہ کے لئے درہم برہم کردیا۔ پھر اس نے عربی، عجمی، اور ترکی عصبیت کی شکل میں ظہور کیا اور اسلام کی سیاسی وحدت کا بھی خاتمہ کردیا۔ پھر مختلف ممالک میں جو اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں ان سب کی تباہی میں سب سے زیادہ اسی فتنہ کا ہاتھ تھا۔ قریب ترین زمانہ میں دو سب سے بڑی اسلامی سلطنتیں ہندوستان اور ٹرکی کی تھیں۔ ان دونوں کو اسی فتنہ نے تباہ کیا۔ ہندوستان میں مغل، اور ہندوستانی کی تفریق نے سلطنت مغلیہ کو دفن کیا۔ اور ٹرکی میں ترک، عرب، کرد کی تفریق تباہی کی موجب ہوئی۔

اسلام کی پوری تاریخ اٹھا کر دیکھ جائیے۔ جہاں کوئی طاقت ور سلطنت آپ کو نظر آئے گی۔ اس کی بنیادیں آپ کو بلا امتیاز جنسیت مختلف نسلوں اور مختلف قوموں کا خون ملے گا۔ ان کے مدبر، ان کے سپہ سالار، ان کے اہل قلم، ان کے اہل سیف سب کے سب مختلف الاجناس پائے جائیں گے آپ عراقی کو افریقہ میں، شامی کو ایران میں افغانی کو ہندوستان میں، اسلامی حکومتوں کی اسی جاں بازی دیانت، صداقت، امانت کے ساتھ خدمت کرتے ہوئے دیکھیں گے جس سے وہ خود اپنے وطن کی خدمت کرتا۔ اسلامی سلطنتیں کبھی اپنے مردان کار کی فراہمی میں کسی ایک ملک یا ایک نسل کے وسائل پر منحصر نہیں رہیں، ہر جگہ سے قابل دماغ اور کارپرداز ہاتھ ان کے لئے جمع ہوئے اور انہوں نے مردانہ اسلام کو

اپنا وطن اور گھر سمجھا۔ مگر جب نفسانیت، خود غرضی، عصبیت کا فتنہ اٹھا، اور مسلمانوں میں مرز و بوم، رنگ نسل کے امتیازات نے راہ پائی تو وہ ایک دوسرے سے بغض و حسد کرنے لگے، وہ بڑے بندیوں اور سازشوں کا دور دورہ ہوا جو قوتیں دشمنوں کے خلاف صرف ہوتی تھیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف صرف ہونے لگیں مسلمانوں میں خانہ جنگی برپا ہوئی اور بڑی بڑی اسلامی طاقتیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔

مغرب کی اندھی تقلید آج مغربی قوموں سے سبق سیکھ کر ہر جگہ کے مسلمان نسلیت اور وطنیت کے راگ الاپ رہے ہیں۔ عرب عربیت پر ناز کر رہا ہے مصری کو اپنے فراعنہ یاد آ رہے ہیں۔ ترک اپنی ترکیت کے جوش میں چنگیز اور ہلاکو سے رشتہ جوڑ رہا ہے۔ ایرانی اپنی ایرانیت کے جوش میں کہتا ہے کہ یہ محض عرب امپیریلزم کا زور تھا کہ حسینؓ اور علیؓ (علیہما السلام) ہمارے ہیرو بن گئے۔ حالانکہ حقیقۃً ہمارے قومی ابطال تو رستم و اسفندیار تھے۔ ہندوستان میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اپنے آپ کو پہلے ہندوستانی اور پھر مسلمان کہتے ہیں۔ وہ لوگ بھی یہاں موجود ہیں۔ جو آب زمزم سے قطع تعلق کر کے آب گنگا سے وابستگی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو بھیم اور ارجن کو اپنا قومی ہیرو قرار دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ترک و ایران و عرب مست فرنگ　　ہر کسے را در گلو شست فرنگ
مشرق از سلطانی مغرب خراب　　اشتراک از دین و ملت بردہ تاب

مگر یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ان نادانوں نے نہ اپنی تہذیب کو سمجھا ہے اور نہ مغربی تہذیب کے اصول اور حقائق ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ وہ محض سطح بین ہیں۔ اور سطح پر جو نقوش ان کو زیادہ نمایاں اور زیادہ خوش رنگ نظر آتے ہیں انہی پر لوٹ پوٹ ہونے لگتے ہیں۔ ان کو خبر نہیں کہ جو چیز مغربی قومیت کے لئے آب حیات ہے، وہی چیز اسلامی قومیت کے لئے زہر ہے۔ مغربی قومیتوں کی بنیاد نسل، وطن اور زبان و رنگ کی وحدت پر قائم ہوئی ہے۔ اس لئے ہر قوم مجبور ہے کہ ہر اس شخص سے اجتناب کرے جو اس کا ہم قوم، ہم نسل، ہم زبان نہ ہو، خواہ وہ اس کی سرحد سے ایک ہی میل کے فاصلہ پر کیوں نہ رہتا ہو

وہاں ایک قوم کا آدمی دوسری قوم کا سچا وفادار نہیں ہو سکتا۔ ایک ملک کا باشندہ دوسرے ملک کا سچا خادم نہیں بن سکتا۔ کوئی قوم کسی قوم کے کسی فرد پر یہ اعتماد نہیں کر سکتی کہ وہ اس کے مفاد کو اپنی قوم کے مفاد پر ترجیح دیگا۔ مگر اسلامی قومیت کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہاں قومیت کی بنیاد نسل و وطن کے بجائے اعتقاد و عمل پر رکھی گئی ہے۔ تمام دنیا کے مسلمان کسی جنسی امتیاز کے بغیر ایک دوسرے کے شریک حال اور معاون ہیں۔ ایک ہندی مسلمان مصر کا ویسا ہی وفادار شہری بن سکتا ہے جیسا کہ وہ خود ہندوستان کا ہے۔ ایک افغانی مسلمان شام کی حفاظت کے لئے اسی جانبازی کے ساتھ لڑ سکتا ہے جس کے ساتھ وہ خود افغانستان کے لئے لڑتا ہے۔ اس لئے ایک ملک کے مسلمان کو دوسرے ملک کے مسلمان سے اجتناب کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس معاملہ میں اسلام کے اصول اور مغرب کے اصول ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔ جو وہاں سبب قوت ہے وہ یہاں عین سبب ضعف ہے۔ اور جو یہاں مایۂ حیات ہے وہ وہاں بعینہٖ سم قاتل ہے۔ اقبال نے اس حقیقت کو کس خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

مذاکرۂ علمیہ

مسئلہ جبر و قدر

(۵)

خلاصہ مباحث گذشتہ پچھلی چار صحبتوں میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اب تک انسان نے اس مسئلہ کو سمجھنے کی جتنی کوششیں کی ہیں وہ سب ناکام ہوئی ہیں۔ اور ان تمام ناکامیوں کی وجہ صرف ایک ہے، یعنی ان ذرائع کا فقدان جن سے انسان اس وسیع کائنات کے نظام حکومت، اور اس عظیم الشان سلطنت الٰہی کے دستور اساسی کو معلوم کر سکے۔ ہمارے سامنے ایک زبردست کارخانہ چل رہا ہے۔ ہم خود اس کارخانے کے کل پرزوں میں سے ایک حقیر پرزہ ہیں۔ اور اس کے دوسرے پرزوں کے ساتھ ہم بھی حرکت کر رہے ہیں۔ بس اتنا ہی ہم کو معلوم ہے۔ رہیں وہ قوتیں جو اس کارخانے کو چلا رہی ہیں، اور وہ قوانین جن کے ماتحت اس کے کام چل رہے ہیں، تو ان تک رسائی حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ نہ ہمارے حواس وہاں تک پہنچ سکتے ہیں، اور نہ ہماری عقل اس کے اسرار کو پا سکتی ہے۔ احساس و ادراک سے ماوراء حقیقتوں کو چھوڑیئے۔ ہم نے تو ابھی تک کائنات کے ان مظاہر کا بھی پوری طرح احاطہ نہیں کیا ہے۔ جو سرحد ادراک و احساس سے خارج نہیں ہیں۔ جو کچھ ہم نے حواس سے محسوس کر لئے ہیں۔ اور جو کچھ قیاس و استقراء کے ذریعہ سے کسی حد تک ہمارے علم میں آ سکا ہے وہ مظاہر کائنات کے لا متناہی سمندر میں ایک قطرہ سے زیادہ نہیں ہے۔ گویا ہمارے علم اور وسائل علم کو ہمارے جہل اور اسباب جہل کے ساتھ وہی نسبت ہے جو متناہی کو لا متناہی کے ساتھ۔ ایسی حالت میں یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم اس کارخانے کے باطنی نظام، اور اس میں اپنی صحیح پوزیشن کو سمجھ سکیں

ہمارا خود اپنے ذرائع علم سے اس کو سمجھنا تو درکنار، اگر خداوند تعالیٰ کی جانب سے ہمارے سامنے اس کو بیان کیا بھی جاتا، تب بھی ہم اپنی محدود عقل سے اس کے معانی کو نہ سمجھ سکتے ۔

عود الی المقصود اب ہمیں اصل سوال کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ سوال یہ تھا کہ قرآن مجید میں مسئلہ جبر و قدر کی طرف جو اشارات کئے گئے ہیں ان میں بظاہر تناقض نظر آتا ہے۔ کہیں بندے کو خود اپنے افعال کا فاعل قرار دیا گیا ہے اور اسی پر نیک و بد کی تمیز قائم کر کے جزا و سزا کی وعدہ وعید کی گئی ہے، کہیں بندے سے قدرتِ فعل کو سلب کر کے تمام افعال کی نسبت خدا کی طرف کر دی گئی ہے اور کہیں ایک ہی فعل خدا اور بندے دونوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ کہیں بندے کو ہدایت قبول کرنے اور ضلالت سے نکلنے کی دعوت اس طرح دی گئی ہے کہ گویا اس میں ترک و اختیار کی طاقت ہے اور کہیں کہا گیا ہے کہ ہدایت و ضلالت خدا کی طرف سے ہے خدا ہی گمراہ کرتا ہے اور خدا ہی سیدھے رستے پر ڈالتا ہے۔ کہیں بندہ کے لئے مشیت ثابت کی گئی ہے، اور کہیں کہہ دیا گیا ہے کہ بندے کی مشیت کوئی چیز نہیں، اصل مشیت خدا کی ہے۔ کہیں شرور و معاصی کو بندے کی طرف منسوب کیا گیا ہے، کہیں ان کا باعث شیطان کو قرار دیا گیا ہے، اور کہیں بتایا گیا ہے کہ خیر اور شر سب خدا کی طرف سے ہیں۔ کہیں کہا گیا ہے کہ خدا کے اذن کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا، اور کہیں نافرمان انسانوں کو الزام دیا گیا ہے کہ انہیں خدا نے جو کچھ حکم دیا تھا انہوں نے اس کے خلاف کیا۔ اگر یہ باتیں باہم متناقض ہیں، جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے، تو ایسی کتاب کو ہم کتاب الٰہی کیسے کہہ سکتے ہیں جس میں ایسی متناقض باتیں ہوں؟ اور اگر ان میں تناقض تسلیم نہیں کیا جاتا، تو بتایا جائے کہ ان کے درمیان توفیق و تطبیق کی کیا سبیل ہے؟

امور ماوراء طبیعت کے بیان سے قرآن کا اصل مقصد اس سوال پر غور کرنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ قرآن کریم میں نہ صرف مسئلۂ جبر و قدر بلکہ جملہ امور ماوراء طبیعت کی طرف جو اشارات کئے گئے ہیں ان کا اصل مقصد ان امور کی حقیقت بتانا نہیں ہے اور نہ اسرار الٰہی پر سے پردہ اٹھانا ہے۔

اس لئے اول تو وہ بسیط تحقیق جو اس وسیع کائنات کے ورق ورق پر لکھی ہوئی ہیں اپنی تفصیلات کیساتھ نہ کسی ایسی کتاب میں سما سکتی ہیں جسے انسان پڑھ سکتا ہو اور نہ کوئی انسانی بولی ان کے بیان کی متحمل ہو سکتی ہے۔ ان کے لئے لا متناہی دفتر چاہییں، ان کو پڑھنے کے لئے ازلی و ابدی زندگی درکار ہے۔ ان کو بیان کرنے کے لئے غیر ملفوظ عقلی کلام اور ان کو سننے کے لئے بے آواز عقلی سماع کی حاجت ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (۱۸: ۱۲)

اے پیغمبر ان سے کہدے کہ اگر سمندر میرے پروردگار کے کلمات کو لکھنے کے لئے روشنائی بن جاتا، تو وہ ان کے ختم ہونے سے پہلے ہی خرچ ہو جاتا اور اگر ہم ایک سمندر اور اس کی مدد کیلئے لے آتے تب بھی میرے رب کے کلمات تمام نہ ہوتے۔

دوسرے اگر ان کو بیان کیا بھی جاتا، تو جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، انسان اپنے ان محدود قوائے ذہنی سے، جو اسے عطا کیے گئے ہیں، ان کو سمجھ نہ سکتا۔ انسان کی عقل کا یہ حال ہے کہ اگر ارسطو اور فیثاغورس کے زمانہ میں کوئی شخص بیسویں صدی عیسوی کے ٹیلیفون، سینما، ریڈیو اور ہوائی جہاز کی تفصیلات بیان کرتا، تو سب سے پہلے وہ لوگ اس پر جنون کا حکم لگاتے جو آج تک سرآمد عقلاء سمجھے جاتے ہیں۔ اور اگر آج بیسویں صدی میں ان چیزوں کی کوئی تشریح کی جائے [illegible] دنیا میں ظاہر ہونے والی ہیں، تو ہمارے بڑے سے بڑے فلسفی [illegible] چیزوں کا حال ہے جن کو جاننے اور سمجھنے کی استعداد انسان میں بالقوہ موجود ہے اور فرق [illegible] قوت و فعل کا ہے۔ مگر جن امور کو سمجھنے کی استعداد ہی سرے سے اس میں نہیں ہے جو اس کے تصور میں کسی طرح سما ہی نہیں سکتے، ان کو بیان کرنے سے آخر کیا فائدہ مترتب ہو سکتا تھا؟ اسی لئے قرآن کہتا ہے کہ:-

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

ان کے سامنے اور ان کے پیچھے جو کچھ ہے خدا جانتا ہے

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ (۲: ۲۴۴) مگر وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے بجز ان باتوں کے جن کا علم وہ خود ان کو بخشنا چاہے۔ اس کا علم تو آسمانوں اور زمین، سب پر چھایا ہوا ہے۔

پس اس قسم کے امور کی طرف قرآن میں جو اشارات کئے گئے ہیں، وہ زیادہ تر ان مقاصد کو مدد پہنچانے کے لئے ہیں جن کا تعلق انسان کے اخلاقی اور عملی مفاد سے ہے۔ اور بعض مقامات پر ان سے مقصود حقیقت شناس نظر اور اعلیٰ روحانی بصیرت رکھنے والوں کو اسرار الٰہی کا کچھ تھوڑا سا علم بخشنا ہے۔ اور کہیں بیان کا سیاق اور موقع و محل کا اقتضاء، ان اشارات کی طرف داعی ہوا ہے، جن کو غور و تأمل اور فکر صحیح سے ہم تھوڑا بہت سمجھ سکتے ہیں۔

مسئلہ قضا و قدر کے بیان کا منشاء اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ قضاء و قدر کے مسئلہ پر جو اشارات کلام اللہ میں آئے ہیں ان کا اصل مقصد یہ ہی نہیں کہ ہم سے وہ چیز بیان کی جائے جس کے سمجھنے کی قابلیت و استعداد ہم میں سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اصل میں جو کچھ مقصود ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ انسان میں قناعت، یکسوئی، توکل علی اللہ، صبر و استقامت اور دنیوی طاقتوں سے بے خوفی پیدا کی جائے، اور اس میں اخلاقی قوت کی ایسی روح بھر دی جائے جس کی موجودگی میں مایوسی، پریشانی، خوف، حسد، رشک اور لالچ اس کے پاس پھٹکنے نہ پائیں وہ اس قوت کے ذریعہ سے حق و صداقت اور نیکی کے طریق پر قائم رہے، اس کی طرف دوسروں کو دعوت دے، اس کے لئے سخت مشکلات کا مقابلہ کرے، اس کی راہ میں جتنی آزمائشیں پیش آئیں ان میں ثابت قدم رہے، نہ خدا کے سوا کسی سے مضرت پہنچنے کا اندیشہ کرے اور نہ کسی سے ذرہ برابر فائدے کی امید رکھے۔ نہ بے سروسامانی میں ہمت ہارے اور نہ سروسامان پر بے جا اعتماد کرے۔ نہ زندگی کی ناکامیوں پر شکستہ خاطر ہو، اور نہ کامیابیوں سے مخمور ہو کر سرکشی پر اتر آئے۔ مثال کے طور پر آیات ذیل ملاحظہ ہوں جن سے اصل مقصود پر روشنی پڑتی ہے

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا (۲: ۲۰)	تمام قوت کا مالک صرف خدا ہے۔
یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ (۳۵: ۳)	اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو، اور دراصل بے نیاز وہی ہے۔
وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا (۷۳: ۱)	اپنے پروردگار کا نام لے اور سب سے ٹوٹ کر اسی کا ہو جا۔ وہ مشرق اور مغرب سب کا پالنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تو اسی کو اپنا کارساز بنالے۔
اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (۲: ۱۳)	کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت کا مالک خدا ہی ہے، اور اللہ کے سوا تم لوگوں کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے۔
اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِہٖ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ٥ (۳: ۱۷)	اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ جو ایمان والے ہیں ان کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔
قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۳: ۳)	کہو کہ خدایا تو ہی ملک کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حکومت چھینتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ سب بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ تو یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ	کہو کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہتا ہے
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ	بخشتا ہے۔ اور وہ بہت کشادہ دست و صاحب علم
مَنْ يَّشَآءُ (۳: ۸)	ہے۔ اپنی رحمت کے لئے جس کو چاہے مخصوص کرے
لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ	آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں جسے
لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ	چاہتا ہے کشادگی کے ساتھ رزق عطا کرتا ہے اور جس کو
(۴۲: ۲)	چاہتا ہے ایک اندازہ سے نپا تلا دیتا ہے۔ وہ ہر شئے کے حال سے خوب واقف ہے
وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ (۱۶: ۱۰)	اور اللہ ہی ہے جس نے تم کو رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے
وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۔	اگر اللہ تجھکو نقصان پہونچائے تو اس کے سوا کوئی اس نقصان کو دور
وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ	کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تجھے فائدہ پہونچائے تو کوئی اس کے فضل کو
مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۱۰: ۱۱)	پھیرنے والا نہیں ہے اپنے بندوں میں سے وہ جس کو چاہے فائدہ پہونچائے وہی بخشنے والا اور مہربان ہے
وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (۲: ۱۲)	وہ اپنی تدبیر سے کسی کو خدا کے اذن کے بغیر نقصان نہیں پہونچا سکتے
قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰىنَا وَ	کہو کہ ہم پر کوئی مصیبت نہیں آئی مگر اس کے جو اللہ نے ہمارے نصیب میں
عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۹: ۷)	لکھدی ہے۔ وہی ہمارا مولی ہے اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے
وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ	کوئی شخص اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مرسکتا۔ موت کا
كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا (۳: ۱۵)	وقت مقرر ہے اور وہ پہلے سے لکھا ہوا ہے۔
يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا	وہ کہتے ہیں کہ اگر تدبیر میں ہمارا بھی دخل ہوتا تو ہم یہاں
هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ	نہ مارے جاتے ان سے کہو اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے
كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۔	تب بھی جن لوگوں کے نصیب میں مارا جانا لکھ دیا گیا تھا
(۳: ۱۶)	وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔

(باقی)

مسلمان وہی ہے جو قرآن پر عمل کرے

حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کو قرآن کی تعلیم سے آگاہ کیا۔ تو ہر شخص نے اس کو سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کی کوشش کی۔ اُنہوں نے دیکھا کہ قرآن پر عمل کرنا نہایت آسان اور اصلاح حال کیلئے بیحد ضروری ہے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلام آناً فاناً دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچ گیا۔ اور مسلمانوں کی حکومتیں تمام ممالک میں جال کی طرح پھیل گئیں۔

آہستہ آہستہ مسلمانوں کی توجہ قرآن سے ہٹ کر دوسرے مشاغل کی طرف بٹنے لگی منطق و فلسفہ اور کلام و بلاغت کی گتھیوں میں اُلجھنے لگے۔ تاآنکہ یہ دورِ بد آیا جس میں سے ہم گذر رہے ہیں کہ قرآن حروف میں لکھا ہوا تو موجود ہے مگر اُس کی تعلیم کا اثر کسی کے سینے میں نہیں وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمان اور تمام علوم حاصل کر سکتا ہے۔ مگر قرآن کو با ترجمہ پڑھنے، سیکھنے اور سمجھنے کی اُسے فرصت نہیں پس جب پڑھنے والے نہ رہے تو ایک ایک کر کے پڑھانے والے بھی اُٹھ گئے۔

آج قرآن پاک نہ کوئی سمجھتا ہے نہ سمجھاتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ ہماری موجودہ پستی، زوال، اور قابل رحم حالت ہے۔ افسوس اگر کوئی قرآن کو سمجھتا بھی ہے تو اُس پر عامل نہیں۔ کیونکہ آج اُسکے سامنے ناموسِ شریعت کی خاطر حد لگانے والا نہ کوئی ابوبکرؓ ہے نہ عمرؓ!

پس آؤ قرآن پڑھو۔ اور پڑھاؤ۔ کہ یہی سرمایہ دین و دنیا ہے۔ ہمارے ہاں جو قرآن پاک مترجم چھپ رہا ہے وہ اس قدر آسان فہم اور مقبول ہے کہ پہلے پاروں کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ ختم ہو کر دوسرا ایڈیشن زیر طبع ہے

قرآن مجید قسم اول شش رنگہ معہ ترجمہ موسومہ بہ مطالب الفرقان فی ترجمۃ القرآن ہدیہ بجلد فی پارہ [illegible] مجلد فی پارہ [illegible]

قسم دوم سہ رنگہ 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۲؍ 〃 [illegible]

مفصل حالات اور نمونے کے صفحات مفت طلب فرمائیں

نیاز مند

مینجر پیکو آرٹ پریس بیرون موچی دروازہ لاہور

Registered No. M 2950 رجسٹر نمبر آصفیہ (۱۲۰)

قواعد

رسالہ "ترجمان القرآن" بالعموم ہر ہجری مہینہ کی ۵ تاریخ کو شائع ہوا کرے گا

مہینہ کی ۲۵ تاریخ تک جن حضرات کے پاس پرچہ نہ پہنچے دوبارہ لکھکر منگوا سکتے ہیں۔

ختم ماہ کے بعد دوسرے مہینے کی ابتدا میں جن خریداروں کی شکایات موصول ہوں گی

ان کو پرچہ قیمتاً دیا جائیگا۔

رسالہ کی موجودہ قیمت میں کسی قسم کی رعایت ممکن نہیں ہے لہذا کوئی صاحب رعایت

کا مطالبہ نہ کریں۔

خریداروں کو دفتر سے مراسلت کرنے میں ہمیشہ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہیے

لیکن یہ لحاظ رہے کہ رجسٹر نمبر اور چیز ہے اور نمبر خریداری اور چیز۔

اشاعت کے لئے مضامین اور حل طلب شکوک تمام ایڈیٹر کے نام سے بھیجے جائیں۔

لیکن ایڈیٹر پر لازم نہیں ہے کہ ہر چیز شایع کرے

منیجر "ترجمان القرآن"

خیریت آباد (حیدرآباد دکن)

باہتمام مولوی ابو محمد مصلح صاحب اعظم سٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن میں طبع ہوا